کلیات فانی

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر.کے. پورم، نئی دہلی۔066 110

فانی مرحوم کی یاد میں

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی
ترا نشان نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

ظہیر احمد صدیقی

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر علی جاوید
ڈائرکٹر

فہرست

ا

مصرع	ماخذ	نوعیت	سنہ
۱۶- تیرے بیمار کا اچھا نہیں اچھا ہونا	د۔	قدیم	
۱۷- اس تیر بے خطا کا نشانہ خطا ہوا	د۔ ب۔ ع	جدید	۱۹۲۱ء
۱۸- کوئی ستم کبھی تقریب الاماں نہ ہوا	" " "	"	
۱۹- سنبل کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا	" " "	"	
۲۰- جب تمہیں اعتبار ہی نہ رہا	د۔	قدیم	
۲۱- دولتِ دو جہاں نہ دی اک دل مبتلا دیا	د۔ ب۔ ع	جدید	
۲۲- دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رو دیا	" " "	"	
۲۳- روتے روتے آنسوؤں کو رو لیا	د۔	قدیم	
۲۴- مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا	د۔ ب۔ ع	جدید	
۲۵- حیراں ہوں کہ دوں انہیں اس کا جواب کیا	د۔	قدیم	
۲۶- ساری امیدیں ٹوٹ گئیں، دل بیٹھ گیا، جی چھوٹ گیا	د۔ ب۔ ع	جدید	
۲۷- عیسے کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا	" " "	"	
۲۸- کیوں آسماں وہ باغ ہی سارا اجڑ گیا	" " "	"	
۲۹- وہ سراپا حشر جب ہنگامہ آرا ہو گیا	د۔	قدیم	۱۹۰۲ء
۳۰- سوا پہر رخ روشن کا آفتاب آیا	"	"	
۳۱- اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا	ب۔ ع۔		۱۹۲۲ء
۳۲- لاش کی صورت زبان تھی اور میں خاموش تھا	" "		
۳۳- وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا	" "		
۳۴- مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا	" "		۱۹۲۲ء
۳۵- اک مٹا یا داغ اک پیدا کیا	" "		
۳۶- نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا	" "		
۳۷- شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا	" "		
۳۸- ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا	" "		
۳۹- وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا	" "		
۴۰- کلیم برق طور تھی کہ تار تھا نقاب کا	" "		

۹۱ - کوئی تماشا دیکھنے والا چاہیے اس بربادی کا	جلد	
۹۲ - وہ مرے دل سے کیا چھپے آنکھوں بھی پردا ہو نہ سکا	"	۱۹۴۰ء
۹۳ - حال دیکھو مری تباہی کا	"	
۹۴ - ہر نفس سے پیام یار آیا	"	
۹۵ - ایک ایک حقیقت کو افسانہ بنا ڈالا	"	
۹۶ - ہر سکوت بے جا کی تہہ میں تھا بیاں اپنا	ش۔	۱۹۴۰ء
۹۷ - لہو بن کر جو آنکھوں سے بہے وہ دل نہیں ملتا	ک۔	۱۹۴۰ء

ب

۹۸ - شور محشر ہے تری اٹھتی جوانی کا جواب	د۔	قدیم
۹۹ - پھر تمنا ہے کسی کی مہمان اضطراب	د۔ب۔ع۔	جدید
۱۰۰ - آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب	ب۔ع	

پ

۱۰۱ - کر آفتاب قمر میں ہے آفتاب میں سانپ	د۔	قدیم

ت

۱۰۲ - سر سلامت چاہیے قاتل بہت	د۔	"
۱۰۳ - مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست	ع۔	
۱۰۴ - آئے گی مگر دیکھیے کب آئے قیامت	"	

ٹ

۱۰۵ - لگ گئی آنکھ، دل پہ آئی چوٹ	د۔	قدیم

د

۱۰۶ - کہ پھر رہے نہ رہے طاقت بیاں صیاد	د۔ب۔ع	جدید

نمبر	مطلع			
١٠٧	طوفانِ محبت کی ہے زد میں فریاد	ب ۔ ع		
١٠٨	کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد	ع ۔		
١٠٩	بلبلوں میں نہ رہی باس وفا میرے بعد	بیاض		
١١٠	دل مرا لوٹ ہے کافر پہ مسلماں ہو کر	د ۔	قدیم	
١١١	مڑا کر دم لیا پتھر پڑیں درد محبت پر	"	"	
١١٢	درد بن کر دل بے درد میں گھر پیدا کر	د ۔ ب ۔ ع	جدید	
١١٣	کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر	ب ۔ ع		
١١٤	انتہا ہونی غم کی دل کی ابتدا ہو کر	" "		
١١٥	نازِ پروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر	" "		١٩٢٦ء
١١٦	بیدرد بے دوا احسان ہے تقدیر درماں پر	ع ۔		
١١٧	بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر	"		
١١٨	[illegible] غنچوں کو خندہ زن دیکھ کر	"		
١١٩	[illegible] زمیں سے آگے آسماں سے دور	"		١٩٢٦ء
١٢٠	[illegible] محشر میں [illegible] اپنی گردن پر	"		
١٢١	مجھے [illegible] بہار [illegible]	جد		١٩٣٠ء
١٢٢	نازِ ستم اٹھانے جا رازِ ستم نہ فاش کر	ک		
١٢٣	یاد ہو اس کو نہ پھر گلزارِ رضواں بھول کر	بیاض		

ز

نمبر	مطلع			
١٢٤	داغ ستم دوست [illegible] رقیب نواز	د ۔ ب ۔ ش ۔	جدید	١٩١١ء
١٢٥	داغ ہے [illegible]	" " "	"	١٩٢٠ء

ل

مصرع			
۱۳۸ - ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقل	"		۱۹۳۱ء
۱۳۹ - کہ موت کی یہ تمنا ہے، زندگی کی دلیل	ش		

م

مصرع			
۱۴۰ - خوں شدہ دل تجھ سے خفا اور ہم	د —	قدیم	
۱۴۱ - سینے میں حشر کے چلے ہیں جہاں سے ہم	د	قدیم	
۱۴۲ - نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم برہم	د - ب - ع	جدید	
۱۴۳ - بے خودی کچھ تو بتا کس کے طلب گار ہیں ہم	ب - ع		۱۱۲۲ء
۱۴۴ - حذر اے آہ الاماں انجام	" "		۱۱۲۳ء
۱۴۵ - رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم	" "		۱۱۲۳ء
۱۴۶ - دل جفا دوست ہے خدا کی قسم	ع -		۱۹۳۱ء
۱۴۷ - آ نہ جائے زباں پہ تیرا نام	جد -		

ن

مصرع			
۱۴۸ - عکس محبوب سے دل محوِ تماشا میں ہوں	د	قدیم	
۱۴۹ - حسرت تو اب نہیں دل امیدوار میں	"	"	
۱۵۰ - خدا کی شان رہزن بھی کبھی رہبر نکلتے ہیں	"	"	
۱۵۱ - دل کی سزا یہی ہے، تمہاری خطا نہیں	"	"	
۱۵۲ - پھر کہاں ہے جو ترے حلقۂ گیسو میں نہاں	"	"	
۱۵۳ - آخر اسی نے ہم کو آنکھیں دکھائیاں ہیں	"	"	۱۱۰۲ء
۱۵۴ [illegible]	"	"	
۱۵۵ - میں ہوا تے پریشانِ فنا ہوں یعنی [illegible]	"	"	
۱۵۶ [illegible]	[illegible]	[illegible]	

۱۵۷ - ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں	״	״ ״	״	
۱۵۸ - ہر داغ خوں ہے دیدۂ خوں بار آستیں	״	״ ״	״	
۱۵۹ - یہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں	ب	ع		۱۹۲۳ء
۱۶۰ - دیکھوں الٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں	״	״		۱۹۲۳ء
۱۶۱ - زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں	״	״		۱۹۲۲ء
۱۶۲ - یادِ وصالِ مختصر دل کے شبِ دراز میں	״	״		۱۹۲۳ء
۱۶۳ - ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں۔	״	״		
۱۶۴ - میں ہوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں	״	״		
۱۶۵ - دل بے تاب کو بھی دیدۂ حیراں کر لیں	״	״		
۱۶۶ - اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں	ع			
۱۶۷ - دل پہ حد لگی مار کر پھر بھی چین نہیں آرام نہیں	״			
۱۶۸ - بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں، فریاد کر قاتل کوئی نہیں	״			۱۹۲۹ء
۱۶۹ - رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں	״			۱۹۳۱ء
۱۷۰ - وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں	״			
۱۷۱ - میں ہوں حد امتیاز جلوہ و جمال میں	״			
۱۷۲ - اس تکلف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں	״			۱۹۳۱ء
۱۷۳ - دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں	״			
۱۷۴ - کم ہے آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن	״			
۱۷۵ - دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں	״			۱۹۳۲ء
۱۷۶ - اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں	״			
۱۷۷ - یہ عالمِ دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں	״			۱۹۳۲ء
۱۷۸ - اک بات نکلتی ہے مری لغزشِ پا میں	״			
۱۷۹ - وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں	״			
۱۸۰ - اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں	״			
۱۸۱ - اپنے جلوؤں میں چھپے جاتے ہیں۔	״			

۱۸۲ - اس جنوں کو امتیاز عاشقی حاصل نہیں 〃

۱۸۳ - وہ نقش کف پا ہوں تری رہ گزر میں 〃 ۱۹۳۵ء

۱۸۴ - شوخی ہے جو بہ سلسلۂ امتحاں نہیں 〃

۱۸۵ - دشمن کا نصیب چاہتا ہوں 〃

۱۸۶ - گم ہو گئی ہے ان کی تجلی جمال میں 〃

۱۸۷ - آغوش اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں 〃

۱۸۸ - آپ تکلیف گفتگو تو کریں 〃

۱۸۹ - تھی فرش راہ چشم تماشا کہاں کہاں 〃 ۱۹۳۷ء

۱۹۰ - بے داد ہے بے داد کے انداز نہیں ہیں جاد

۱۹۱ - ان کی رضا کے بندوں میں آزادی کا دستور نہیں جد ۱۹۳۸ء

۱۹۲ - ان کی نظر نے کیا کیا، ان کی نظر سے کیا کہیں 〃

۱۹۳ - اب ہم کہیں ہیں دام کہیں آشیاں کہیں 〃

۱۹۴ - بندھی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی امیدیں 〃

۱۹۵ - اس کرم کی کچھ انتہا ہی نہیں 〃

۱۹۶ - لاؤ اسے شہید غم آرزو کریں 〃

۱۹۷ - یاں ہر ذرہ کہتا ہے میں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں ش

۱۹۸ - میں تیرے قریب آرہا ہوں 〃 ۱۹۴۰ء

۱۹۹ - یہ بھی تو بتا کہ میں کہاں ہوں 〃

۲۰۰ - کیوں کر تری خوشی کو اپنی خوشی بنالیں 〃

۲۰۱ - یاروں سے ہمدموں سے کیوں بدگمانیاں ہیں 〃

۲۰۲ - کوئی بہار کی سی بات اب کے بہار میں نہیں 〃

۲۰۳ - شاید اب راز خموشی برملا کہنے کو ہیں 〃

۲۰۴ - جو فروش زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں 〃

۲۰۵ - ہر اک شے میں جلوہ ترا دیکھتے ہیں بیاض ۱۹۴۰

و

٢٠٦ - مجھ کو خیال یار کہیں ڈھونڈتا نہ ہو	د -	قدیم	
٢٠٧ - آئے جاؤ مجھے دیوانہ بنائے جاؤ	″	″	
٢٠٨ - بھڑک اٹھی ہے شمع زندگانی دیکھتے جاؤ	د - ب - ع -	جدید	١٩١٨ء
٢٠٩ - وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوک نشتر سے رگ جاں کو	″ ″ ″	″	
٢١٠ - بلا سے حال دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو	″ ″ ″	″	
٢١١ - تم سے رخصت ہو رہا ہے مہمانِ لکھنؤ	د -	″	
٢١٢ - نصیب تو خیر ہے جو کچھ ہے، نصیب کا اہتمام دیکھو	ع		١٩٣٢ء
٢١٣ - اتنی بھی آدمی کو امید کرم نہ ہو	″		
٢١٤ - دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو	″		

ن

٢١٥ - ہے ایک شمع رونقِ محفل جگہ جگہ	د - ب - ع -	جدید	
٢١٦ - ترکِ مے و مینا کر اے جرأتِ رندانہ	ع -		

ھ

٢١٧ - الم لامتناہی کو نہ پوچھ	″		
٢١٨ - آئینہ دیکھ اور ذرا مسکرا کے دیکھ	جلد		١٩٤٠ء

ی

٢١٩ - کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری	د - ع	قدیم	
٢٢٠ - کیا بات ہے تری نگہ انتخاب کی	د -	″	

۲۲۱ - تری مشکل ہو آساں اے دل ناداں یہ مشکل ہے	″	″
۲۲۲ - میاں سے نکلے تو میں سمجھوں کہ خنجر دل میں ہے	″	″
۲۲۳ - سر کے بل یا جائے یا بے سر چلے	″	″
۲۲۴ - آسماں ٹوٹ پڑے دست دعا گر اٹھے	″	″
۲۲۵ - بخت کی ناسازگاری اور ہے	″	″
۲۲۶ - کدھر گیا ہمہ تن اضطراب کر کے مجھے	″	″
۲۲۷ - محبت بھی کوئی تقصیر تھی اے آسماں میری	″	″
۲۲۸ - گرے کیوں برق بچ کر آشیاں سے	″	″
۲۲۹ - پھر کوئی چھیڑ زخم جگر سے نکالیے	″	″
۲۳۰ - خلش ہوتی ہے لیکن کس قدر پر لطف ہوتی ہے	″	″
۲۳۱ - بچھاؤ تم نہ بزم ناز میں صف میرے ماتم کی	″	″
۲۳۲ - کہ روشناس اجابت نہیں دعا میری	″	″
۲۳۳ - لوٹتا ہے دل مرا دوزخ میں جنت کے مزے	″	″
۲۳۴ - دل کا آ جانا کسی بے درد پر کیا چیز ہے	″	″
۲۳۵ - جنون چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے	د۔ب۔ع۔	″
۲۳۶ - غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی	د۔ب۔	جدید
۲۳۷ - صبر رخصت ہو رہا ہے اضطراب آنے کو ہے	د۔ب۔ع	″
۲۳۸ - مری قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے	″ ″ ″	″
۲۳۹ - اللہ رے ترا اے دل انداز پریشانی	″ ″ ″	″
۲۴۰ - رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کے	″ ″ ″	″
۲۴۱ - آسماں پر اکثر سے جاتے ہیں قدم تاثیر کے	نعیم۔ع۔جدید	۱۹۱۲ء
۲۴۲ - سو کام لگے ہیں دل ناکام کے دم سے	د۔ قدیم	
۲۴۳ - مری نظر میں ہیں جلوے کسی کی قامت کے	د۔ب۔ع۔جدید	
۲۴۴ - اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے	″ ″ ″ ″	
۲۴۵ - شب غم بڑھ چلی تھی مختصر کی	″ ″ ″ ″	۱۹۱۹ء
۲۴۶ - یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی	″ ″ ″ ″	

۲۴۷ - اور بے وفا جو کل بھی نہ تھی آج کل ہو گئی	〃	〃	〃	〃	۱۹۱۲ء
۲۴۸ - درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی	〃	〃	〃	〃	
۲۴۹ - کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی	〃	〃	〃	〃	۱۹۱۸ء
۲۵۰ - دامنوں کی ہے خبر اب نہ گریبانوں کی	〃	〃	〃	〃	
۲۵۱ - اب تو جینا ہی پڑے گا، شاد بھی، ناشاد بھی	〃	〃	〃	〃	
۲۵۲ - تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۳ - تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۴ - شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۵ - زیست کا ہم پر گماں دیکھیے کب تک رہے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۶ - خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۷ - وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہے	〃	〃	〃	〃	۱۹۱۹ء
۲۵۸ - برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے	〃	〃	〃	〃	
۲۵۹ - سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے	〃	〃	〃	〃	۱۹۱۹ء
۲۶۰ - زلف جاناں سے بنا ہے کبھی سودا نہ بنے	〃	〃	〃	〃	
۲۶۱ - اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے	〃	〃	〃	〃	
۲۶۲ - تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے	〃	〃	〃	〃	۱۹۲۰ء
۲۶۳ - ہم نے گن گن کے لیے خونِ وفا کے بدلے	〃	〃	〃	〃	۱۹۱۷-۱۹ء
۲۶۴ - وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے	〃	〃	〃	〃	
۲۶۵ - کیا کیا ستم کرنے خوگرِ جفا کر کے	〃	〃	〃	〃	
۲۶۶ - خاک دل اللہ اکبر کیسا ہی کا فرخیز ہے	جدید		د۔ب۔ع		۱۹۲۱ء
۲۶۷ - ناموس عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے	〃		〃	〃	۱۹۲۱ء
۲۶۸ - کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے	〃		〃	〃	
۲۶۹ - تری خدائی کے قربان ما سوا کیا ہے	〃		〃	〃	

۲۷۰- ملتی ہے زمانے کی نظر ان کی نظر سے	ب-ع	۱۹۲۲ء
۲۷۱- خلوتِ یادِ یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے	" "	۱۹۲۳ء
۲۷۲- تم وجہ بے خودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی	" "	۱۹۲۲ء
۲۷۳- مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی	" "	۱۹۲۳ء
۲۷۴- دل آئینہ ہے کہ منھ آئینہ کا تکتا ہے	" "	
۲۷۵- یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی	" "	۱۹۲۳ء
۲۷۶- لازم نہیں کہ خونِ تمنا نہ کیجیے	" "	
۲۷۷- ہر قدم پر نقش پائے راہبر دیکھا کیے	" "	
۲۷۸- اس صفِ ماتم میں اک شمع لحد خاموش ہے	" "	۱۹۲۳ء
۲۷۹- موت ملے تو مفت نہ لوں، ہستی کی کیا ہستی ہے	" "	۱۹۲۳ء
۲۸۰- لے خوابِ محبت کی تعبیر نظر آئی	" "	۱۹۲۲ء
۲۸۱- فتنۂ شامِ غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی	" "	
۲۸۲- پہلو میں تجھے ڈھونڈے اے درد کہاں کوئی	" "	
۲۸۳- جو عمر صرف تماشائے حسن یار ہوئی	" "	
۲۸۴- دنیا مری راحت کی قسمت نے مٹا ڈالی	" "	
۲۸۵- چشم بد دور دلہن بن کے شباب آتا ہے	" "	۱۹۲۳ء
۲۸۶- کیا تری شانِ کبریائی ہے	" "	
۲۸۷- گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے	" "	
۲۸۸- قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے	" "	
۲۸۹- ہاں نظر دے تو مجھے فرصتِ حیرانی دے	" "	۱۹۲۲ء
۲۹۰- بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے	" "	
۲۹۱- کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے	ب-ع-	
۲۹۲- میں جو رویا مسکرا کے رہ گئے	" "	

۲۹۳۔ ہے شمع بھی پروانہ، پروانہ کو کیا کہیے ״ ״

۲۹۴۔ ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے ״ ״

۲۹۵۔ ذرے ہیں اک جہانِ حقیقت لیے ہوئے ״ ״

۲۹۶۔ یوں کر نہ لیے پیدا دو پھول بھی گلشن نے ״ ״

۲۹۷۔ میں محوِ تماشا ہوں، دنیا ہے تماشائی ״ ״

۲۹۸۔ مہرباں سمجھا کیے نامہرباں دیکھا کیے ع۔

۲۹۹۔ وہ وارداتِ قلب تمنا کہیں جسے ״

۳۰۰۔ جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے ״

۳۰۱۔ جو جس قدر قریب ہے اتنا ہی دور ہے ״

۳۰۲۔ للہ الحمد کہ پھر غم کی فراوانی ہے ״

۳۰۳۔ دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی ״

۳۰۴۔ آنے لگی ہے ذکرِ وفا سے حیا مجھے ״

۳۰۵۔ مرے حواس ٹھکانے لگا دیئے تو نے ״

۳۰۶۔ یعنی جو سحر ہو بھی گئی شام نہیں ہے ״

۳۰۷۔ یاد تیری کسی عنوان نہ فراموش ہوئی ״

۳۰۸۔ جب گلستان چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے ״

۳۰۹۔ آئینہ طلب فرما کثرتِ تماشا سے ״

۳۱۰۔ اللہ رے کرم، ہم اور توفیقِ گنہ گاری ״

۳۱۱۔ ہم ہیں اور عمرِ ابد اور حسرتِ یک سجدہ ہے ״

۳۱۲۔ صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہے ״

۳۱۳۔ وہ دامنِ نگاہ میں ہیں بجلیاں لیے ہوئے ״

۳۱۴۔ تو اعتبارِ ہستیِ بے اعتبار ہے ״

۳۱۵۔ یہ زندگی تو اب تک امیدِ زندگی ہے ״

۳۱۶۔ اور شفا قہر مختصر نہ ہوئی	غ۔	۱۹۳۸ء
۳۱۷۔ جب مجھے منزل نے کھویا، مل گئی منزل مجھے	"	
۳۱۸۔ تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہیے	"	۱۹۳۲ء
۳۱۹۔ جفا کم کر، جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے	"	
۳۲۰۔ طبیعت بے نیاز کفر و دیں معلوم ہوتی ہے	"	۱۹۳۰ء
۳۲۱۔ اے دست کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے	"	
۳۲۲۔ دیوانۂ ہشیار کو دیوانہ بنا دے	"	۱۹۳۱ء
۳۲۳۔ مری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے	"	
۳۲۴۔ اب دل کا یہ عالم ہے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے	"	۱۹۳۱ء
۳۲۵۔ دستِ وحشت میں ہے دامن نہ گریباں کوئی	"	
۳۲۶۔ ہر نفس اک آڑ ہے اس رنج پنہاں کے لیے	"	
۳۲۷۔ جی بہل جاتا کسی تدبیر سے	"	
۳۲۸۔ میں ہی میں ہوں، مرے سوا کیا ہے	"	
۳۲۹۔ تو ہی جنوں کا آسرا، تو ہی سکوں کی آس ہے	"	۱۹۳۲ء
۳۳۰۔ عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی	"	۱۹۳۲ء
۳۳۱۔ اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے	"	
۳۳۲۔ مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے	"	
۳۳۳۔ زندگی رو براہ ہوتی ہے	"	
۳۳۴۔ دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے	"	
۳۳۵۔ نذر ارباب درد رہتا ہے	"	
۳۳۶۔ کچھ تمہیں کو مری خبر نہ ہوئی	"	
۳۳۷۔ ہر تبسم پردہ دار غم نظر آیا مجھے	"	
۳۳۸۔ رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی	"	
۳۳۹۔ تو آئے نظر جدھر نظر جائے	"	
۳۴۰۔ زمیں تک ہے رسائی آسماں کی	"	

۲۴۱۔ کشتی کو ملا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے	ع۔	۱۹۳۸ء
۲۴۲۔ المابِ دل بقدریک آہ بھی نہ نکلے	"	
۲۴۳۔ جنگل ہے ترے گوشۂ دامن کے لیے ہے	"	
۲۴۴۔ جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے	"	
۲۴۵۔ ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی	"	
۲۴۶۔ زندگی درد بنا ئی تھی دوا سے پہلے	"	
۲۴۷۔ خموشی اہل دل کی داستاں ہے	"	
۲۴۸۔ بے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے	"	
۲۴۹۔ دردِ جگر کی ہر دوا دردِ ماں ہوگئی	"	۱۹۳۶ء
۲۵۰۔ تو ذرا تم نے سی دیئے ہوتے	"	
۲۵۱۔ مجال دید پہ بجلی گرائی جاتی ہے	"	
۲۵۲۔ نیند اچٹتی ہے اس کہانی سے	"	
۲۵۳۔ مشق خرام ناز کر، واں نہ سہی یہیں سہی	"	۱۹۳۵ء
۲۵۴۔ دم محبت میں نکل جانے کو ہے	"	
۲۵۵۔ منھ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی	"	
۲۵۶۔ جو آپ سے مل گیا بہت ہے	"	
۲۵۷۔ دل کی بستی خراب ہو کے رہی	"	
۲۵۸۔ مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے	"	
۲۵۹۔ آخری صورت نکل کر رہ گئی	"	
۲۶۰۔ زندگی کسی عذاب میں گزری	جد	
۲۶۱۔ آشوب صد جہان تمنا لیے ہوئے	"	
۲۶۲۔ دل کو آخر لہو کیے ہی بنی	"	
۲۶۳۔ مجبورِ غم اتنے بھی مجبور نہیں ہوتے	"	
۲۶۴۔ پھر ہماری خبر ہی جائے گی	"	
۲۶۵۔ اس حسن تجاہل کو کس طرح کرم کہیے	"	

۲۶۶۔ کچھ تو اپنی سی چارہ گر کرتے	جد	
۲۶۷۔ حد سے گزری دل کی خرابی، دل کی خرابی کیا کہیے	"	
۲۶۸۔ یہ دونوں عالم کچھ بھی نہیں ٹکڑے ہیں مرے افسانے کے	"	
۲۶۹۔ دیوانے کا خواب اور وہ بھی خواب قیامت کیا کہیے	"	
۲۷۰۔ ہم تجھ سے چھپا کر بھی ترا نام نہ لیتے	"	۱۹۳۹ء
۲۷۱۔ کرتے تو ہم اپنا ہی کچھ تم سے گلا کرتے	"	
۲۷۲۔ تدبیر کا حاصل کیا کہیے تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی	"	
۲۷۳۔ کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ درد سوا ہو جاتا ہے	"	
۲۷۴۔ وہ آپ اپنے تصور میں آکے آئے تھے	"	
۲۷۵۔ پھر تم امیدوار کر کے چلے	"	
۲۷۶۔ اتنا تو کرو کرم سے پہلے	"	
۲۷۷۔ رند مشق ہائے و ہو کرتے رہے	"	
۲۷۸۔ کہ دل میں اب نہیں طاقت سنائے جانے کی	ش	۱۹۴۰ء
۲۷۹۔ پھر ظلم کی راہ تک رہا ہے کوئی	"	
۲۸۰۔ آخری کچھ پیام تھے دل کے	"	
۲۸۱۔ یہ کیوں کہوں کہ ان کی تمنا عذاب ہے	"	۱۹۴۰ء
۲۸۲۔ پیمانہ بہ اندازۂ پیمانہ نہیں ہے	"	
۲۸۳۔ حسن نظارہ ابھی پردۂ آواز میں ہے	ماہنامہ دستور، لاہور	

۱۔ فردیات

۲۔ تضمینات

۱۔ بر غزل غالب

۲۔ بر غزل امیر مینائی

۳۔ بر غزل حسرت لکھنوی (در صنعت توشیع)

۳۔ حمد

۴۔ قصیدہ پرنسپل بریلی کالج ۱۸۹۸ء

۵۔ رباعیات

۶۔ قطعات

۷۔ منظومات ومتفرقات

۱۔ علم

۲۔ دنیا اور دنیا کے دوست

۳۔ دارفنا ۱۹۰۲ء

۴۔ جلسہ اردوئے معلیٰ

۵۔ مذمت غازی ۱۹۳۳ء

۶۔ مدح عثمان علی خاں ۱۹۳۳ء

۷۔ قطعہ دیگر ۱۹۳۶ء

۸۔ معرفت نفس سال گرہ سرسید احمد خاں

۹۔ تہنیت راجہ ارجن کمار ۱۹۳۴ء

۱۰۔ نامہ بنام سرکشن پرشاد شاد ۱۹۳۲ء

۱۱۔ نامہ بنام امام الدین ۱۹۳۳ء

۱۲۔ سہرا

۱۳۔ سہرا نواب نصراللہ خاں

۱۴۔ یوم وفات سرسید

۱۵۔ وفات رضا نواز جنگ

۱۶۔ وفات کشن پرشاد شاد ۱۹۴۰ء

۱۷۔ وفات امیر مینائی

۱۸۔ کتبہ قبر فانی

۱۹۔ تاریخ دیوان فانی

۲۰۔ باغ نشاط کشمیر ۱۹۲۷ء

۲۱۔ تماشائے بہار ۱۹۰۶ء

۲۲۔ عرض حال

دیباچہ

جدید اردو غزل جن چار ستونوں پر قایم ہے ان میں فانی کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کو دوسرے ہم عصروں حسرت۔ اصغر اور جگر پر کئی اعتبار سے امتیاز حاصل ہے۔ فانی کے جذبات اور خیالات میں ایک ایسا نکھار ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ ہماری المیہ شاعری کی کہانی میر سے شروع ہو کر فانی پر منتہی ہوتی ہے۔ مگر فانی کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے غم کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ وہ اس کو مقابلہ تو نہیں کر سکے مگر غم کو تزکیہ نفس کا ذریعہ بنا دیا۔ ارنلڈ جب یہ کہتا ہے کہ شاعری زندگی کی ایسی تنقید ہے جو حسن اور صداقت کے تابع ہے تو اس کے قول کی صداقت کی تائید فانی کے کلام میں ملتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فانی کی شاعری کے گرد غم و آلام کا حصار ہے۔ مگر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس تصور غم کو جمالیاتی احساسات کے ساتھ جس طرح فانی نے پیش کیا ہے اردو شاعری میں اس کی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ غالب نے بیسویں صدی میں دو قالب اختیار کیے ایک نے فانی کی شکل اختیار کی اور دوسرے نے اصغر کی۔ مگر غالب کے شعری ورثہ جس خوبی سے فانی نے نبھایا ہے وہ اصغر کے مقابلہ میں زیادہ گراں قدر ہے۔

ان اوصاف کے باوجود ہمارے ناقدین نے تنقید اور فانی کے درمیان تعصبات اور تاثرات کے اتنے پردے حائل کر دیے ہیں کہ ان کی شاعری کی قدر و قیمت کا تعین نہ ہو سکا۔ علی گڑھ میگزین "فانی نمبر" شائع کر کے کچھ فرض کفایہ ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر عرصہ کی ذہنوں پر جمی ہوئی گرد اتنی آسانی سے دور نہیں ہو سکتی تھی۔ شکر کا مقام ہے کہ دکن کے ایک ناقد کو فانی کی غریب الوطنی کا احساس ہوا اور اہل ادب کی طرف سے اس ناقدری کا کفارہ اپنے تحقیقی مقالہ

کی صورت میں ادا کرنے کی کوشش کی۔ میری مراد پروفیسر مغنی تبسم کے تحقیقی مقالہ "فانی بدایونی حیات شخصیت اور شاعری" سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مقالہ نے فانی کو وہ مقام دلانے کی کوشش کی جو اس کی تاریخ ادب نے اب تک نہیں دیا تھا۔ میری عرصہ سے خواہش تھی کہ فانی سے جو اعتراضات کیے جاتے رہے ہیں۔ ان کا جواب لکھوں چنانچہ "فانی کی شاعری" کے نام سے ایک کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ مگر اس کے باوجود معلوم نہیں کیوں ایک کسک سی تھی کہ فانی کا ایک دیدہ زیب کلیات شائع ہو۔ ترقی اردو بیورو کی توسط سے یہ موقع فراہم ہوگیا اور آج مکمل طور پر کلیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اس موقع پر خاص طور پر اپنے دوست پروفیسر مغنی تبسم کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے تحقیقی مقالہ نے قدم قدم پر رہنمائی کی اور غزلوں کے سنین کا تعین انہی کی کتاب کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں۔ نیز انھوں نے ازراہ کرم بیاض فانی سے چند غزلیں نقل کرکے مرحمت فرمائیں جو فانی کے کسی مجموعہ میں دستیاب نہیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تدوین کلیات فانی کا کام مغنی تبسم صاحب انجام دیتے تو کلیات کے حسن میں اضافہ ہو جاتا۔ تاہم میں نے یہ ذمہ داری قبول کی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ ذاتی مکروہات کے باعث غیر معمولی تاخیر ہو چکی ہے مگر امید ہے کہ یہ کلیات فانی شناسی میں معاون ثابت ہوگا۔

اس کلیات کو مرتب کرتے وقت جن امور کو پیش نظر رکھا ہے ان کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱ــــ موجودہ کلیات کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ ترتیب زمانی کے اعتبار سے غزلوں کو ردیف کے اعتبار سے شامل کیا گیا ہے۔ دیوان۔ باقیات۔ عرفانیات۔ وجدانیات اور کلیات۔ البتہ بیاض کی غزلوں کو ردیف کے اعتبار سے سب سے آخر میں رکھا ہے۔ اگر کسی غزل میں دوسرے دیوان کے شعر کا اضافہ ہے تو اس کی وضاحت حاشیہ پر کر دی۔ البتہ فردیات میں حروف تہجی کے علاوہ اور کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

۲ــــ تین اشعار کو ایک مکمل غزل میں شمار کیا ہے۔ البتہ ایک یا دو اشعار کو فردیات کے ذیل میں شامل کیا ہے۔

۳ــــ قدیم سے مراد ۱۹۰۷ء سے قبل کی غزلیں اور جدید سے ۱۹۱۷ء کے بعد کی غزلیں ہیں۔ آئندہ فانی پر کام کرنے والوں کو زمانے کے تعین میں سہولت ہوگی۔ یہ تقسیم دیوان فانی کے حوالے سے کی ہے، مولوی وحید احمد نے دیوان فانی کے مقدمہ میں ان ادوار کی وضاحت

کردی ہے۔انہی کی نشان دہی پر فہرست میں اشارہ کردیا گیا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ وجدانیت کی غزلیں دوسرے مجموعوں سے الگ ہیں مگر باقیات کی بہت سی غزلیں عرفانیات میں موجود ہیں۔یہی صورت دیوان کی غزلوں کی بھی ہے اس تکرار کو نظر انداز کردیا۔ البتہ جہاں عرفانیات اور باقیات کو مرتب کرتے وقت دیوان کے جن اشعار کو حذف کردیا گیا تھا ان کو اس کلیات میں شامل کر کے حاشیہ پر ان کی نشان دہی کردی ہے۔

۴— فانی کی نظم، جلسہ سالانہ اردو نے معلیٰ علی گڑھ کے آخر میں دو غزلیں بھی شامل ہیں۔ ان غزلوں کو وہاں بدستور رکھا ہے۔

(۱) شاید اب راز خموشی برملا کہنے کو ہیں

(۲) جو فروش زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں

۵— ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابتدا میں فانی نے بعض غزلوں میں تخلص،شوکت، ہی رکھا تھا۔ مگر بعد کو جب' فانی' تخلص اختیار کیا تو" شوکت" کو بدل کر' فانی' لکھ دیا۔اسی سے وزن میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔اگرچہ یہ بات بربنائے قیاس ہی کہی جا سکتی ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ' شوکت' تخلص کے ساتھ کوئی غزل دستیاب نہیں ہوئی۔البتہ' بیاض فانی' کے حوالے سے جو غزلیں مغنی تبسم صاحب نے عنایت کی ہیں ان کے مقطعوں میں شوکت، تخلص موجود ہے۔اس کے علاوہ کسی قدیم غزل میں یہ تخلص نہیں ملتا۔ان غزلوں کے مقطعے درج ذیل ہیں۔

یہ کس غیرتِ گل کی ہے آمد آمد — کہ ہر غنچہ شوکت کھلا دیکھتے ہیں

کرچکے دفن تو پھر رنج کسے تھا شوکت — خوش خوش آئے مرے گھر اہل عزا میرے بعد

خوں رلایا عمر بھر شوکت فراق یار نے — مرتے مرتے بھی نہ نکلا کوئی ارماں بھول کر

نہ قتل نامہ بر شوکتِ حزیں ہو کہیں — مزاج یار ہے یارب ذوالمنن بگڑا

پروفیسر مغنی تبسم نے ایک ذاتی خط میں مجھے تحریر کیا تھا۔

" فانی پہلے شوکت تخلص کرتے تھے۔بعد میں تخلص بدل دیا۔ایسا نہیں ہوا کہ شوکت کو فانی سے بدلا ہو۔"

۶— کلیات کی فہرست میں یہ جدت کی ہے کہ محض غزلوں کے مصرعے ہی نہیں دیے ہیں بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ یہ پتہ چل جائے کہ مطلوبہ غزل کس مجموعہ میں ہے نیز وہ جدید

ہے یا قدیم اور جہاں تک معلومات فراہم ہوسکیں وہاں ان کے سن بھی دیدیے ہیں ۔ سنین کا یہ تعین پروفیسر مغنی تبسم کے تحقیقی مقالہ "فانی بدایونی حیات ۔ شخصیت اور شاعری سے کیا ہے ۔

۷ ۔ فانی کا فارسی کلام اور تراکیب فانی کو ضمیمہ میں اس لیے شامل کیا ہے کہ دونوں کی نوعیت فانی کے اردو کلام سے الگ ہے ۔ "تراکیب فانی" کو یہاں افادیت کے خیال سے شامل کر دیا ہے ۔ اس سے قبل میری کتاب "فانی کی شاعری" کے ضمیمہ میں شامل ہے اس لیے رشید حسن خاں صاحب کا ممنون ہوں ۔

اس وقت فانی کے جو مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ۔

۱۔ دیوان فانی مرتبہ وحید احمد نقیب پریس بدایوں ، مطبوعہ ۱۹۲۱ء

۲۔ باقیات فانی آگرہ اخبار پریس آگرہ ، مطبوعہ ۱۹۲۶ء

۳۔ عرفانیاتِ فانی انجمن ترقی اردو دہلی ، مطبوعہ ۱۹۳۹ء

۴۔ وجدانیات فانی دارالکتابت حیدرآباد مطبوعہ ۱۹۴۰ء

مطبع ادبیہ ۔ چھتہ بازار ۔ حیدرآباد مطبوعہ ؟

۵۔ کلیات فانی ، مرتبہ حیرت بدایونی حیدرآباد ، مطبوعہ ۱۹۴۶ء

دہلی ، مطبوعہ ؟[1]

۶۔ شرح دیوان فانی ، شارح و مرتبہ افتخار بیگم صدیقی ، دہلی ، مطبوعہ ۱۹۸۴ء

ان کے علاوہ فانی کی کچھ اور تخلیقات تھیں جو شائع ہو گئیں ان کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ ۱۸۹۷ء میں جب ان کے والد کو ان کی شعر گوئی کا پتہ چلا تو ان کا دیوان نذر آتش کر دیا ۔

۲ ۔ ۱۹۰۱ء میں شکسپیئر کے ڈرامہ (رچ اڈوا باؤٹ نتھنگ) کا ترجمہ شائع ہو گیا ۔

۳ ۔ ۱۹۰۲ء میں ملٹن کے کومس کا اردو ترجمہ ضائع ہو گیا ۔

۴ ۔ ۱۹۰۷ء میں جب وہ علی گڑھ میں تھے تو ان کا دوسرا دیوان چوری ہو گیا ۔

مولوی وحید احمد دیوان ثانی کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں ۔

" ۱۸۹۸ء میں پہلا دیوان مکمل کر لیا جو نامساعدت طبع کی بدولت اشاعت سے

---

[1] یہ نسخہ دراصل نسخۂ حیدرآباد کی نقل ہے مگر اغلاط کافی ہیں

پیشتر ہی ضائع ہو گیا۔ ۱۹۰۱ء میں شکسپیئر اور ملٹن کے مذکورہ بالا ڈراموں کو ہندوستانی لباس پہنایا۔ مگر ان دونوں کا حشر بھی وہی ہوا جو دیوانِ اوّل کا ہوا تھا۔ لباس مشرقی ان تالیفات کا کفن ثابت ہوا۔ دوسرا دیوان ۱۹۰۶ء میں وجود میں آیا اور عنایاتِ احباب کا مرہونِ رہ کر غالباً پہلے دیوان کی تلاش میں یہ بھی ملک عدم کو چل بسا۔"

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان کی شاعری کا آغاز کب سے ہوا۔ مگر ناقدین کا خیال ہے کہ فانی نے گیارہ بارہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔

اپنی تخلیقات کا ضائع ہو جانا فانی کے لیے سانحہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۷ء تک فانی اتنے دل برداشتہ رہے کہ شعر کہنا بھی ترک کر دیا۔ مگر پھر جذبہ کی تحریک ہوئی اور انھوں نے شاعری شروع کر دی اور تاریخ ادب ایک بہت بڑے خسارہ سے بچ گئی دیوان فانی کے دیباچہ میں مولوی وحید احمد لکھتے ہیں:۔

"ان ناکامیوں کے تجربۂ تلخ نے جناب فانی کو عرصۂ دراز کے لیے ساکت کر دیا اور بظاہر مشق سخن سے دست کش ہو گئے۔ لذتِ درد و عادتِ فریاد کا خون منھ کو لگ چکا تھا۔ زبان قلم بریدہ ہونے پر بھی گنگ نہ تھی۔ پرانا چسکا رہ رہ کر طبع موزوں کی چٹکیاں لیتا تھا۔ ۱۹۱۷ء سے از سر نو نالہ و فریاد لب تک آکر نغمہ نواز ہونے لگا۔"

یہاں شاید اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہو کہ ان کی ایک بیاض (بیاض فانی) پروفیسر مغنی تبسم کی تحویل میں ہے۔ انھوں نے ازراہ کرم فانی کا غیر مطبوعہ کلام اسی بیاض سے عنایت کیا تھا۔

جن علامات سے اس کلیات میں کام لیا گیا ہے ان کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

د۔ دیوان فانی　　　　ب۔ باقیات فانی

ع۔ عرفانیات فانی　　　　جد۔ وجدانیات فانی

ش۔ شرح دیوان فانی

فانی کے کلام میں تین غزلیں ایسی بھی ملی ہیں جو رباعی کی بحر میں ہیں

(۱) طوفان محبت کی ہے زد میں فریاد (۲) اس بزم میں خدمت سپندی کب تک

(۳) پھر ظلم کی راہ تک رہا ہے کوئی۔

آخر میں اپنا خوشگوار فرض خیال کرتا ہوں کہ ترقی اردو بیورو کی ڈائرکٹر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم کا شکریہ ادا کروں جن کی تحریک نے مجھے اس کام کی تکمیل پر آمادہ کیا۔ میں ممنون ہوں اپنے دوست ڈاکٹر ابو الفیض سحر اور شیخ سلیم احمد کا کہ ان کا تعاون مجھے ہمیشہ حاصل رہا ہے۔

ظہیر احمد صدیقی

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی
دہلی

مقدمہ

فانی ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو بلسی (بدایوں) میں پیدا ہوئے[1]۔شاہ عالم کے عہد میں ان کے مورث اعلا اصالت خاں کابل سے آئے اور دربار دہلی سے وابستہ ہوگئے۔ اصالت خاں اور ان کی اولاد کو دربار دہلی سے منصب اور خطابات عطا ہوئے۔نواب بشارت خاں جو فانی کے پردادا تھے، بدایوں کے گورنر مقرر ہوئے۔فانی نے جب آنکھ کھولی تو عیش و فراغت کی زندگی تھی۔ انھوں نے ایک مضمون میں اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں لکھا ہے:۔

"میں ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو دنیا میں لایا گیا۔نسلاً پٹھان ہوں۔اصلی وطن کابل ہے۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کے زمانے میں میرے مورث اعلا اصالت خاں نامی ہندوستان آئے۔دربار دہلی نے انھیں اور ان کے جانشینوں کو بہت نوازا ممتاز عہدوں پر فائز کیے جانے کے علاوہ جاگیرات، خطابات، منصب وغیرہ سے سرفراز کیے گئے۔ نواب بشارت خاں میرے پردادا تھے۔صوبہ بدایوں کے گورنر تھے ..... مگر زمانے کے انقلاب نے رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچا دی کہ میرے والد شجاعت علی خاں صاحب جو مورث اعلا سے چھٹی پشت میں تھے، پولیس کی ملازمت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے[2]"

اس اقتباس سے مراد یہ ہے کہ فانی نے جس فضا میں آنکھ کھولی اس میں اگرچہ وہ شان و شوکت

---

[1] بحوالہ ضیاء احمد بدایونی ہماری زبان دسمبر ۱۹۵۷ء

[2] فانی کی [illegible] سوانح مطبوعہ نگار جنوری ۱۹۴۱ء

تو نہیں رہی تھی مگر پھر بھی ایک آسودہ زندگی بسر کرنے کے لیے حالات ساز گار تھے، علی گڑھ سے ۱۹۰۱ء میں بی۔اے۔ ۱۹۰۸ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ لکھنؤ۔ بریلی اٹاوہ۔ آگرہ اور بدایوں میں وکالت کی مگر مزاج کی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے یہ پیشہ ترک کر دیا عم محترم آفتاب احمد جوہر کہا کرتے تھے کہ جس زمانے میں وہ اور فانی دونوں وکالت کرتے تھے۔اس وقت فانی کا یہ حال تھا کہ مقدمے سے بے نیاز بار میں بیٹھے شعروشاعری کرتے اور اگر گرمی کا زمانہ ہوتا تو بار سے نکلنا ان کو ناگوار ہوتا۔ ظاہر ہے ایسے میں وکالت چلتی تو کیوں کر۔ ۱۹۳۲ء میں وکالت ترک کر کے حیدر آباد چلے گئے، وہاں صدر مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ فانی جب حیدرآباد گئے تو شاید ان کو امید تھی کہ وہ نظام کی استادی پر فائز ہو جائیں گے۔ مگر خود داری کا یہ حال تھا کہ اپنی زبان سے اظہار مدعا نہ کر سکے اور صدر مدرس کی جگہ پر قناعت کرنا پڑی۔ کچھ متلون مزاجی۔ کچھ ملکی اور غیر ملکی سیاست۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ چند ماہ مالی اور ذہنی مصائب میں گزرا۔ آخر ۲۷ / اگست ۱۹۴۱ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور حیدرآباد کی زمین کو ہی اپنی آخری آرام گاہ بنا لیا۔

اک عمر رہا مورد الزام حیات اس دار فنا میں تھا جو بدنام حیات
اس خاک میں دفن ہے وہ ناکام حیات فانی جس کی حیات تھی حسرت مرگ

ڈاکٹر مغنی تبسم نے خاندانِ فانی کا جو شجرہ پیش کیا ہے وہ صفحہ ۳۵ پر قارئین کی معلومات کے لیے دیا جا رہا ہے۔

شجرہ

داؤد خاں

نواب اکبر علی خاں

عنایت خاں

فانی کی شاعری اور ذہنی ارتقاء کو سمجھنے کے لیے ان کی زندگی اور سیرت کے بعض گوشوں کو نمایاں کرنا ضروری ہے۔ فانی کی سیرت کے سب سے اہم پہلوان کی خودداری اور اَنا ہے یہی سبب ہے کہ امرا کی محفلوں میں ایک مخلص دوست تو بن کر بیٹھ سکتے تھے مگر اشر کا مصاحب رہنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ صدق جائسی نے اعتراف کیا ہے کہ فانی کو جو مواقع میسر ہوئے اس میں وہ اپنے لیے کیا کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے مگر شہزادہ کے دربار میں ان کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ دوسروں کی طرح کاسۂ گدائی لے کر کھڑے ہوں۔ فانی اپنے ایک مضمون میں شاعر کے معیار کا جو پیمانہ قایم کرتے ہیں وہ دراصل خود ان کی اپنی زندگی کی غماز ہے۔

"جو شعرا صحیح معنی میں شعرا تھے یا ہیں وہ شعر کو اس کے صحیح درجہ سے گرانے کے لیے نہ کسی قیمت سے خریدے جا سکتے ہیں اور نہ کسی قوت سے مرعوب ہو سکتے ہیں۔ وہ ہر مصیبت کو جو اس مسلک کی بدولت ان پر ٹوٹتی ہے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے ہیں اور برداشت کرتے رہیں گے"[1]

فانی کے کلام میں بھی ان کی سیرت کی جھلکیاں نظر آجائیں گی۔

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا　　افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا
فانی ارنی نہ اپنے منھ سے نکلا　　احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

فانی کی شخصیت کے دوسرے پہلو اسی ایک خودداری کے گرد گھومتے ہیں۔ دل درد آشنا۔ تواضع انکسار۔ بے لوث محبت۔ معیار اخلاق پر ان سب کی قدر ہے مگر بازار میں ان کی قیمت کچھ بھی نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فانی کی المیہ زندگی کا آغاز اسی اخلاقی درس سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا ضیاء احمد بدایونی نے "ہماری زبان" میں فانی کی شخصیت پر جو مضمون لکھا ہے اس میں تحریر کرتے ہیں:۔

"اگرچہ آخر میں زندگی کی مایوسیوں اور ناکامیوں نے بالکل ہی ان کا دل بجھا دیا تھا لیکن وہ ہمیشہ سے افسردہ طبیعت نہ تھے۔ بلکہ شروع میں خاصے خوش طبع اور ظریف مزاج تھے۔ گھر میں بھائی بہن اگر خاموش یا اداس ہوتے تو ان سے کہتے، تم لوگ ہنسی خوشی رہا کرو۔ مجھے روتی صورت بُری معلوم ہوتی ہے۔ اگر

---

[1] شعر و شاعری از فانی سب رس ۱۹۴۱ء

کسی کو اداس دیکھتا ہوں تو میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے، آخر زمانے میں بھی وہ غم کی تلخی کو تبسم کی شیرینی سے چھپانے کا سلیقہ رکھتے تھے[1]

قاضی عبد الغفار نے ان کی شخصیت کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے :۔

"کہا کرتا تھا کہ شاعر اچھا ہے معلوم نہیں کہ آدمی کیسا ہے۔ جب ان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جتنا کہ وہ شاعر ہے اس سے زیادہ انسان ہے"[2]

فانی کی شاعری کا محور ان کے صوفیانہ افکار رہیں۔ ان کو متصوفانہ افکار اور واردات میں جو وابستگی نظر آتی ہے اس میں حصہ ان کے وطن بدایوں کی مذہبی روایات کا بھی ہے۔ فانی تصوف کو انسانیت کی تکمیل کا راستہ خیال کرتے تھے۔ تصوف کا یہی رشتہ مذہبی سماجی اور اخلاقی نظام سے جا ملتا ہے۔ فانی کے اخلاقی درس کے دو منبع ہیں۔ ایک عشق اور دوسرا غم۔ ان دونوں کے امتزاج سے فانی کو زندگی اور شاعری میں تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی ہے۔ یہاں شاید فانی پر وہ اعتراض بھی رد ہو جائے کہ وہ قنوطی تھے۔ ایک ناقد کا قول ہے کہ صوفی یا عارف قنوطی نہیں ہو سکتا۔ وہ اگرچہ کسی حلقۂ ارادت سے وابستہ نہیں تھے۔ مگر فطری طور پر انھوں نے اپنے ذہن میں جو نظام فکر قایم کیا تھا اس کی مثال صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں نظام عمل کی صورت میں نظر آتی ہے یہی نظام فکر ہے جو زندگی اور شعر میں طہارت، نفاست اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ فانی کے اخلاقی رویہ کا اندازہ ذیل کے اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔

دعا گدائے اثر ہے، گدا پہ تکیہ نہ کر — کہ اعتمادِ اثر کیا، ملا ملا نہ ملا

اس بحرِ بے کراں میں ساحل کی جستجو کیا — کشتی کی آرزو کیا، ڈوب اور پار کر جا

ہے منع راہِ عشق میں دیر و حرم کا ہوش — یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

اس میں کوئی شک نہیں کہ فانی کی شخصیت ان کی شاعری میں پوری طرح نمایاں ہے اور یہی صوفیانہ اور اخلاقی اقدار ہیں جو ان کو شدید مایوسی میں بھی ناامید نہیں ہونے دیتے۔

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی — گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے

---

[1] ہماری زبان دسمبر ۱۹۵۶ء

[2] مقدمہ کلیات فانی

فانی کی زندگی پر نظر ڈالیے تو متعدد واقعات مل جائیں گے جن میں ان کی شخصیت کا عکس نظر آ جائے گا۔ اس کردار کا استحکام خلوت وجلوت دونوں میں یکساں ہے۔ اس قول کی تائید قاضی عبدالغفار کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

"انھیں مشاعروں میں دیکھا۔ گھر کے صحنوں میں دیکھا۔ تخلیے میں، جب میرے اور ان کے سوا کوئی موجود نہ ہوتا تھا، دیکھا۔ تکلف اور بے تکلفی دونوں حالتیں دیکھیں لیکن وہ جوان کے کردار میں ایک شان تمکنت اور خودداری کا دبدبہ دیکھا وہ ایسا تھا کہ ان کے بے تکلف دوست بھی متاثر اور مرعوب ہوا کرتے تھے"[1]

فانی کی شاعری کا اگر تجزیہ کریں تو دو دھارے نظر آئیں گے۔ غم اور عشق فانی کے یہاں جہاں بھی لفظ غم آیا ہے اس سے "غم عشق" مراد ہے اور عشق کا مفہوم "عشق الٰہی" سے تعبیر ہے۔ فانی کے یہاں غم کہاں سے آیا اور غم کے سلسلے میں ان کا رویہ کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا غم ذاتی تھا۔ معاشی مشکلات۔ اولاد کی بے روزگاری۔ عزیزوں کی بے وفائی۔ غریب الوطنی اور اسی کے ساتھ غم عشق۔ غالب نے تو کہا تھا کہ ع 'غم عشق اگر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا'، مگر فانی کو غم عشق اور غم روزگار دونوں کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ اس لیے ان کے غم کی داستان ان کی آپ بیتی بن گئی ہے جس کو فانی کے فکر نے فلسفیانہ رنگ دیدیا ہے۔ بقول فانی

"تازہ پھول کا حسن شعر کا ایک ادنیٰ مقام ہے مگر مرجھائے ہوئے پھول کی گزری ہوئی رعنائی، مٹا ہوا رنگ حقیقی شعریت کا ارفع مقام ہے۔"

اور فانی ان مرجھائے ہوئے پھولوں کو زندگی بھر سینے سے لگائے رہے۔ تازہ رنگ کے پھولوں کو انھوں نے "فریب رنگ و بو" خیال کیا ہے۔

اگلے برس کے پھولوں کا کیا حال انھیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرز تبسم۔ یہ شادابی کیا کہیے

فانی نے غم کو اس لیے اختیار کیا کہ امید اور خوشی کے لمحات یا تو آتے نہیں اور اگر آتے ہیں تو ان کی زندگی بجلی کی چمک سے زیادہ پائیدار نہیں ہوتی اور اس کے بعد پھر غم کا اندھیرا

---

[1] مقدمہ کلیات فانی

چھا جاتا ہے۔ غم کے جواز میں ان کا یہ فلسفہ بھی دلچسپ ہے۔

غم بھی گذشتنی ہے، خوشی بھی گذشتنی ۔۔۔ کر غم کو اختیار کہ گذرے تو غم نہ ہو

غالباً فانی کے لیے یہ لمحۂ فکر یہ رہا ہوگا کہ جب غم انسانی زندگی کی ناقابل تردید حقیقت ہے تو پھر اس کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے یا دوسرے الفاظ میں خود اپنے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے۔ کیا غم کے سامنے ہتھیار ڈال دینا چاہیے یہ کم ہمتی کی دلیل ہے۔ غم کو اپنی ذات تک محدود رکھا جائے، یہ سلبیت ہے غم کا بوجھ پڑ جانے پر نالہ و فریاد کرنا چاہیے، یہ بزدلی ہے۔ آخر فانی نے غم کو گوارا بنانے کا راستہ نکال لیا۔ اور ع جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا۔ یہی وہ خصوصیت ہے جو فانی کو دوسرے شعرا پر امتیاز عطا کرتی ہے۔ غم کو اپنی صحیح سمت مل گئی اور فانی کو عرفان غم حاصل ہو گیا ؎

دل کے سوا یہاں کوئی محرم درد دل نہیں ۔۔۔ بے خبروں سے کیوں کہیں، اہل خبر سے کیا کہیں

یہی وہ منزل ہے جہاں فانی اور میر کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔ میر کا شخصی غم ان کی زندگی کی ناکامیوں کی داستان ہے۔ جو غم ان پر پڑتا ہے اس کو وہ بے تکلفانہ انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔ وہ ایک متوسط طبقہ کا غم ہے اس لیے جو سنتا ہے وہ اس کو اپنی داستان غم معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ غم فطرت انسانی سے قریب ہے۔ ان کے غم کی کسک الفاظ کا جامہ پہن کر ایک موسیقیت کا انداز اختیار کر لیتی ہے۔ مگر ان سب کے باوجود ان کے یہاں غم کی کراہیں ہیں۔ ان کے غم میں صداقت ضرور ہے مگر عظمت نہیں ہے۔ ان کے یہاں غم کا دائرہ فانی کے مقابلہ میں وسیع ہے۔ انھوں نے ذاتی غم کے ساتھ اپنے ماحول کے انتشار کو بھی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ فانی کے یہاں ایک متوازن اور ہموار راستہ ہے۔ سیاسی اور سماجی حالات ایسے نہ تھے کہ ان کو شہر آشوب لکھنے کی ضرورت ہوتی۔ میر کے یہاں مردم بیزاری۔ بے دماغی۔ قناعت اور تسلیم پرستی کے عناصر رچ بس گئے ہیں۔ فانی کے غم نے ان عناصر کو اپنی شاعری کے قریب نہیں آنے دیا۔ بر بنائے بشریت کبھی گھبرائے بھی۔ ۔ ب تو بس یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

آف کے گنہگار ہیں تو مگر خطا معاف ۔۔۔ اٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو ہے دکھا دیا

غم کی شدت میں تصوف نے ان کو سہارا دیا۔ یہ واقعہ ہے کہ میر اور فانی کی زندگی اور شاعری میں کئی اعتبار سے مماثلت ہے مگر اس کے باوجود فانی کا مزاج میر کے مقابلہ میں

غالب سے نزدیک ہے۔ شاید اسی کا سبب تصوف اور فلسفۂ زندگی ہے۔ یہ دونوں اساتذہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ مفکر بھی تھے۔ فرق یہ ہے کہ فانی نے غم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا جب غالب نے غم کا اظہار خلوص نیت سے کیا ہے۔ مگر اس کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ یہاں محض ضمنی طور پر میر اور غالب کا ذکر تھا۔ اس سے موازنہ مقصود نہیں ہے۔

غم کے برخلاف خوشی اور نشاط کے سلسلہ میں فانی کا رویہ واضح ہے۔ وہ خوشی اور نشاط کو سطحی اور نمائشی چیز خیال کرتے ہیں جو انسان کو پست اور سبک بنا دیتی ہے وہ دنیا کے قہقہوں کا کفارہ اپنے آنسوؤں سے ادا کرتے ہیں ؎

وفاؤں نے کیا ہے خون حسرت سے وضو برسوں
کیے جائیں گے دل کے خانے پر شکر کے سجدے

فانی کے غم کا رشتہ زندگی سے مل جاتا ہے۔ بقول مغنی تبسم :۔

" فانی نے غم ہستی کی اصطلاح کو غم ذات اور غم دنیا دونوں سے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ زندگی کی ناپائیداری کا احساس فانی کے کلام میں جا بجا جھلکتا ہے "

فانی کے یہاں زندگی کے سلسلہ میں وہی رویہ ہے جو اردو اور فارسی شاعری کا مزاج ہے۔ یعنی زندگی خواب یا جبر ہے۔

ابتدا میں اشارہ کیا تھا کہ فانی کی شاعری کا محور، غم و عشق ہے۔ عشق سے مراد عشق الٰہی ہے اور یہی تصوف کی اساس ہے۔ بعض معترضین نے فانی کے غم کی طرح ان کے تصوف کو بھی نمائشی اور ہمت شکن تعلیم سے تعبیر کیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نظریۂ تصوف نے اگر ایک طرف ان کو سہارا دیا تو دوسری طرف فلسفیانہ فکر بھی عطا کی ہے۔ اسی کے ساتھ فانی کی شاعری میں اس تصوف کی بدولت اخلاقیات کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔

تصوف کے سلسلہ میں ہمارے فلسفیوں اور مفکرین کی جستجو اور تلاش آج تک نامکمل ہے۔ ہر شخص نے اپنے نقطۂ نظر سے مسائل تصوف کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تصوف کے سلسلہ میں اتنی تاویلیں ہوئی ہیں کہ اس کی تعریف ایک خواب پریشان بن کر رہ گئی۔ ہر مذہب میں صوفیانہ عناصر کی نشان دہی کی گئی ہے۔ آپس کے نظریاتی اختلافات کے باوجود یہ قدر مشترک ہے کہ وجود حقیقی ایک ہے۔ وحدانیت کے اس تصور کو دوسرے مفکرین نے ماسوا کی نفی کے ساتھ مانا ہے اور اسلام نے ماسوا کی نفی نہیں کی ہے۔ صوفی نے ذات حق کو اصل مانا ہے اور ماسوا

کا انکار اس وقت کیا ہے کہ جب اس کا تصادم وحدانیت کے تصور سے ہونے لگا۔ بہر نوع یہ بحث طویل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ فانی نے صوفیانہ نظریات کی وضاحت کن الفاظ میں کی ہے۔

تصوف کی اساس نظریۂ وحدت پر ہے۔ صوفیہ کے ہر گروہ نے خواہ وہ وحدت الوجود کا قائل ہو یا وحدت الشہود کا۔ اس نے ذات حق کی وحدت کا اعتراف کیا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تصوف کی پہلی منزل وحدت کا اعتراف ہے اور وحدت کے اس تصور کے بعد احساس خودی خود بخود معدوم ہو جاتی ہے۔ ع اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم۔ خدا کی ذات کا اظہار کن الفاظ میں کیا جائے جو اس کی ذات کا احاطہ کر سکے۔ اس کے لیے تمام صفات ناکافی ہیں۔

ہر نام میں اک شان تعین ہے بہر حال جو نام ہے تیرا وہ ترا نام نہیں ہے

جب خدا ہی خدا ہے تو کائنات کی کیا حیثیت ہے نیز خدا اور کائنات کا کیا رشتہ ہے صوفیہ کے نزدیک کائنات کا کوئی وجود خدا سے الگ نہیں ہے۔

کچھ نہ وحدت ہے، نہ کثرت، نہ حقیقت، نہ مجاز
یہ ترا عالم مستی وہ ترا عالم ہوش

اس ایک مسئلہ کے حل ہو جانے سے اس سے پیدا ہونے والے تمام مسائل کا جواب مل جاتا ہے۔ فنا و بقا جبر و اختیار۔ خیر و شر۔ انسان کی مجبوری اور مختاری کا سوال ہمیشہ ایک سوالیہ نشان بنا رہا۔ اسلامی توجیہہ تو یہ کی جا سکتی ہے کہ انسان کو مختار بنایا گیا ہے مگر اس کی مختاری مرضی الٰہی سے وابستہ ہے۔ اسپینوزا کا قول اسلامی نقطۂ نظر کی تائید کرتا ہے کہ "نہ ہم مجبور محض ہیں اور نہ اخلاقی قدروں سے گریز کر سکتے ہیں۔ اس لیے عمل کی ساری ذمہ داری ہم پر آتی ہے۔" سنت اشعرا اور مسلک صوفیہ یہ رہا ہے کہ ہم عکس الٰہی ہیں اور اپنے فاعل کے عمل کے پابند ہیں۔ فانی بھی اس نقطۂ فکر کی تائید کرتے ہیں۔ فانی کا خیال ہے کہ جبر اس لیے ہے کہ تمام افعال انسانی علم الٰہی میں پہلے سے ہیں لیکن اس کی مصلحت نے اختیار کا سانچہ بھی ساتھ کر دیا ہے۔ خدا سے امید عفو اس لیے ہے کہ گناہ کی تخلیق بھی اس کی مرضی سے ہوئی ہے۔

امید عفو ہے ترے انصاف سے مجھے شاہد ہے خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا

تقدیر پرستی کا یہ رجحان ہماری سماجی زندگی میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ وہ حیات انسانی کا ایک لازمہ سا بن گیا ہے۔ وہ صوفیانہ افکار جو ہندوستانی فلسفہ کے اثر سے ہماری سماجی زندگی کا حصہ بن گئے اس کے سب سے بڑے مبلغ شعرائے کرام تھے یہاں مہ دست

ان اثرات سے بحث نہیں ہے بلکہ صرف کہنا یہ ہے کہ فانی نے جبریہ مسلک کو اس لیے قبول کیا کہ اول تو سنت الشعرا یہی تھی جن کے یہاں صوفیانہ افکار کے نظام میں جبر کو ایک اہمیت حاصل ہے اور سب سے بڑا سبب فانی کی اپنی زندگی کی ناکامیاں ہیں۔

فانی کی پوری شاعری اور خاص طور پر صوفیانہ شاعری میں سب سے مستحکم روایت تصور عشق کی ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا کہ ان کے یہاں جہاں جہاں عشق کا لفظ آیا ہے اس سے عشق الٰہی مراد ہے۔ لہٰذا عشقیہ شاعری کے دوسرے کردار پس پشت چلے گئے ہیں اور یہ جذبۂ عشق اس درجہ تک پہنچ چکا ہے کہ خود عاشق کی ذات بھی اس میں گم ہو گئی ہے۔ کاروبار عشق میں فانی کی شاعری محض فکری نہیں رہتی بلکہ جذباتی بھی ہو جاتی ہے۔ ان جذبات میں صداقت ہے اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز ہے۔ جب وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ عاشق کی ذات محبوب سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتی تو ان میں ایک کیف اور بے خودی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

وحدت حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

حسن ہے ذات مری، عشق صفت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

عشق ہے ہر تو حسن محبوب
آپ ہی اپنی تمنا کیا خوب

غالب اور فانی کے یہاں نظریۂ غم کا ارتقا مختلف انداز میں ہوا ہے۔ غالب غم اور دکھ کی بے شمار منزلوں سے گزرے لیکن اپنی زندگی اور ذہن کو تازہ رکھنے کے لیے انھوں نے یہ عادت ڈال لی کہ غم میں نہ صرف مسکراتے تھے بلکہ اپنی ذات کو تمسخر کا نشانہ بھی بنا لیتے تھے۔ جہاں تک افکار کا سوال ہے تو اس میدان میں غالب کی نظر بڑی دوررس تھی۔ لیکن شاید اکثر صوفیہ کی طرح وہ یہ چاہتے تھے کہ تصوف کے معارف اپنی رو میں ان کے ذہن کی طرف آئیں۔ اس بات کو صوفیہ کی اصطلاح میں "بوارق" کا نام دیا جاتا ہے - تیزی سے آنے جانے والی بجلی کے کوندے۔ غالب نے صاف کہہ دیا ہے۔

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس　　　برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

ایک چیز اور جس کا غالب نے اظہار کیا ہے وہ ان کا یہ احساس ہے کہ صوفیانہ معارف کو جاننے کے ساتھ عملی زندگی میں اس سے کام لینے کی بھی ضرورت ہے ۔ حد یہ ہے کہ معرفت کی منزلیں طے کرنے کے بعد وہ حضرت کلیم اللہؑ اور حضرت خلیل اللہؑ کی منزلوں تک پہنچ جانے کا زعم بھی رکھتے ہیں ۔ لیکن کہہ دیتے ہیں کہ میری نبوت جھوٹی اور میری دعوت ناپختہ ہے ۔

وے کلیم و کاذب بنوتم ، کو ، نیل   وے خلیلم و ناپختہ دعوتم ، کو ، نار

یہ کام وہی ذہن کر سکتا ہے جو اسلامی تصوف میں فکر و عمل کی مطابقت کو جانتا ہو ۔ فانی کی تصوف سے واقفیت ہندوستانی تصوف کے میلانات اور بدھ مذہب کے فلسفہ نروان سے قریب تر ہے اور اپنے انفرادی تجربہ تک مرکوز ہے ۔ اس میں اگر غم کی معرفت اور عملی زندگی میں کبھی خوش رہنے کا دستور بھی ہے تو یہ فطری بات ہے ۔ بدھ مذہب نے نروان کے فلسفہ میں انفرادیت کو عبور کرنے کے بعد اس سے آزاد ہو جانے کی دعوت دی تھی ۔ فانی کا رویہ نفی خودی کی ان منزلوں تک جانے نہیں دیتا ۔ ان کا غم ذاتی ہے اور ان کو یقین ہے کہ یہی حال ہر ذی روح کا رہتا ہے ۔

شعر و ادب کے سلسلہ میں ہمارا اولین ردعمل ذوقی کیفیت کا بے ساختہ اظہار ہے جس کی بنیاد جمالی قدر کی شناخت پر ہوتی ہے ۔ شعر میں حسن شناسی کی ضرورت ہر عہد میں محسوس کی گئی ہے ۔ حسن شناسی کا یہ مطالبہ الفاظ کے دار و بست سے بھی ہوتا اور شاعر کے خیال سے بھی ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جمالیاتی قدروں کے اظہار کے لیے اس کے جواز کے طور پر کسی مخصوص نظریہ یا دبستان ادب کے سند کی ضرورت نہیں ہے ۔ حسرت موہانی کی غزل کے احیاء کے بعد دلی اور لکھنؤ کے دبستانوں کی دیواریں منہدم ہو گئیں ۔ جدید غزل ایک نئے لب و لہجہ کے ساتھ نئے موضوعات کو لیے ہوئے پوری شاعری پر چھا گئی ۔ اردو غزل نے اس طرح اپنا اثر قایم کیا کہ غزل کے متعلق اپنے خیالات سے ہی الجھتے رہے ۔ فانی نے ایک جگہ لکھا ہے ۔

خود حسن کمال حسن ہے یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے
اور عشق مآل عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

ارباب نظر کے لیے یہ نکتہ قابل غور ہے جو اقبال نے اپنے ان اشعار میں بیان کیا ہے جو انھوں نے شکسپیئر کی تعریف میں لکھے ہیں :-

عشق آئنۂ حسن اور دل آئنۂ عشق　　　دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئنہ

اس شعر میں عشق اور حسن کے باہمی ربط کو اور عشق کی آئنہ داری کو شکسپیئر جیسے حقیقت شناس سے نسبت دے کر اقبال نے جو جمالیاتی اصول مرتب کیے ہیں ان سے فانی کے شعر کو اس اعتبار سے مناسبت ہے کہ اس میں وہ عشق کے کمال کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی ماہر فن یا خود اپنے کمال فن کو غم کی ایک ایسی مکمل اور کامیاب آئنہ داری سے متصف نہیں کرتے جو اقبال نے شکسپیئر سے منسوب کی اس لیے کہ اقبال کے قول کے مطابق شکسپیئر نے تلاشِ حسن میں اسرار کائنات کو بھی سمجھا ہے اور فطرتِ انسانی کو بھی۔ انھی دو منزلوں میں عشق کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حسن کے سب جلوے لائق ستائش ہیں۔

ع خود حسن کمال حسن ہے یعنی حسن جہاں ہے کامل ہے، فانی کے اس شعر میں اس غزل کے دوسرے اشعار کی طرح ذہن کے ٹھہر ٹھہر کے آگے بڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ شاعر کا ذہن دور تک پہنچتا ہے۔

یہاں مزید وضاحت کے لیے ڈاکٹر افتخار بیگم صدیقی کی "شرح دیوان فانی" سے اس شعر کی تشریح بیان کرنا شاید نامناسب نہ ہو۔ وہ لکھتی ہیں۔

> "فانی نے اس شعر میں ایک گہری حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حسن ایک صفت کمال ہے جو بجائے خود مکمل ہے اور اپنے تکمیل کے لیے کسی وسیلہ کا محتاج نہیں۔ اس کے برعکس عشق مسلسل طلب و جستجو کا نام ہے جس کی کہیں انتہا نہیں ہوتی یا دوسرے الفاظ میں حسن کا شمار اعیان ثابتہ میں ہے جو اپنی جگہ مکمل اور کامل ہے لیکن عشق ایک مسلسل جد و جہد یا طلب ہے جو ہمیشہ جاری رہتی ہے لیکن تکمیل کی منزل کو کبھی نہیں پہنچتی اور حسن نام ہے تکمیل کا جب کہ عشق میں کامل ہونا ممکن نہیں"

فانی کے یہاں جہاں تخیل اور جذبہ کا امتزاج ہے۔ وہاں محبت کی رنگینی میں اضافہ ہوگیا محبت کا موضوع فانی کا پسندیدہ موضوع ہے۔ اس لیے جب جب وہ حقیقت سے الگ ہٹ کر مجاز کی طرف آتے ہیں تب بھی ان کے لب و لہجہ میں جمالیاتی دل کشی نمایاں رہتی ہے۔

چن لیا تیری محبت نے مجھے　　　اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا　　　بات پہنچی تری جوانی تک

محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی — لبریز تموج تھا اک اک خط پیمانہ

دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی — اک برق سر طور ہے لہرائی ہوئی سی

آخری دونوں اشعار میں پیکر تراشی کا بڑا خوبصورت اور حسین اظہار ہے۔

غالب کی زمین میں فانی نے قافیہ بدل کر غزل کہی تھی۔ ایک ناقد نے "نگار" میں اُن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا تھا۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم — میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

(غالب)

اک کفر سراپا نے کیا حشر کا قائل — میں معتقد محشر مجسم نہ ہوا تھا

(فانی)

ڈاکٹر مغنی تبسم نے فانی کی ایک اہم خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو وہ "مکالماتی زبان" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ شعر میں گفتگو اور مکالمہ کا انداز پیدا ہو جائے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ایسے فقرے ڈرامائی مکالموں سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وصف فانی کے کلام میں نمایاں ہے۔ یہ عمل منظوم ڈراموں اور مثنویوں میں تو آسان ہے مگر غزل میں اس کا فن کارانہ اظہار نہ ہو تو شعر محض لفظی بازی گری بن کر رہ جاتا ہے۔ فانی کے یہاں اس وصف نے خیال اور بیان دونوں کو نئی راہ دکھائی ہے۔

"کس کی وفا ہے دسترس امتحاں سے دور" — وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب

آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا — کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی

اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں — ناخوشگوار ہے جو محبت کا تذکرہ

ارشاد ہے کہ آج ہوئی نذر دل قبول — مطلب یہ ہے کہ آئینہ ہم روبرو کریں

جب ایسے اشعار کسی فن کار کے اظہار کا وسیلہ بن جاتے ہیں تو "سادگی" کے ساتھ "پرکاری" کا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔

فانی کی شاعری پر عام طور سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں بڑے اعتراض یہ ہیں۔ ان کے یہاں ادب برائے زندگی نہیں ہے۔ ان کی شاعری عزم و ولولوں کے لیے ہمت شکن ہے۔ وہ غم کی پرورش کرتے ہیں۔ ان کا تصوف حقیقت سے دور ہے۔ ان کے خیالات میں تنوع نہیں ہے۔ ان کی شاعری پختگیٔ مشق کا نتیجہ ہے۔ یہ اور اس قسم کے بہت

سے اعتراضات ہیں جو اُن کی غم پسند شاعری پر ہوتے رہے ہیں۔

یہ اعتراضات عام طور سے لوگ اس وقت کرتے ہیں جب وہ یا تو سینہ بسینہ روایت کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیتے ہیں یا سرسری مطالعہ کے بعد چند اشعار کو پڑھ کر فیصلہ کر دیتے ہیں۔ مگر لوگ فانی کو سمجھنے میں سہو کر جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فانی کے یہاں ہمت شکن اشعار بھی ہیں مگر ان کے کلام سے رجائیت پسندانہ اشعار کا بھی انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت ہے ایسے اشعار کے انتخاب کی جو اُن کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔

ایک شعر میں فانی نے ایک عجیب بات کہی ہے کہ ساحل کا اعتبار ہی دراصل قطرہ اور دریا کے اتصال سے ہے ورنہ ساحل کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے۔

اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا   حد جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے[1]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فانی کے یہاں موضوعات کا تنوع نہیں ہے۔ مگر جس موضوع کو شاعری میں پیش کیا ہے اس میں تنوع موجود ہے۔ اس سلسلہ میں مومن خاں مومن کی مثال سامنے ہے۔ ان کا دائرہ محض عشق و محبت تک محدود ہے مگر عشق و محبت کے دائرہ میں انھوں نے جو وسعت پیدا کی ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے حصہ میں نہیں آئی۔ فانی نے اپنی دنیا غم و آلام کے دائرہ تک محدود رکھی مگر غم کے دائرے کو انھوں نے جس قدر وسیع کر دیا اس نے اردو شاعری میں نئے امکانات کی نشان دہی کی ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اس کارنامے کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انھوں نے غم کو گوارا بنا دیا۔ ان کے یہاں تنوع کے ساتھ گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی۔ اگر ان کی شاعری محض پختگیٔ مشق کا نتیجہ ہوتی تو احساس کی یہ شدت اور اظہار میں یہ خلوص نہ ہوتا۔ خلوص جذبات کے ساتھ سطحیت اور پختگیٔ مشق کا دخل ممکن نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایک پختہ مشق شاعر کے یہاں فنی اسقام نہیں ہوں گے مگر تخیل کی رفعت اور نفسیات کی سچائی ممکن نہیں ہے۔ پختہ مشق شاعر محض الفاظ کا سہارا لیتا ہے اور الفاظ اپنی آرائش کے لیے معنی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک سچا فن کار الفاظ کو

---

[1] اس شعر کا مزید لطف اٹھانا ہے تو اقبال کے اس شعر کو سامنے رکھ کر پڑھیے۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ   دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

اظہار کا ذریعہ تو بنا تا ہے، اکثر تشبیہات اور استعارات کے ذریعہ آرائش کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ مگر ان کو اپنے خیالات پر حاوی نہیں ہونے دیتا۔ ہیئت اور معنی کا امتزاج ہی ایک اچھے فن کار کی پہچان ہے۔ فانی کے کلام میں ان دونوں کا دلکش امتزاج جمالیاتی قدروں کے ساتھ موجود ہے۔

کتابیات

دیوانِ فانی — مطبوعہ نقیب پریس بدایوں — ۱۹۲۱ء

باقیات فانی — مطبوعہ آگرہ اخبار آگرہ — ۱۹۲۶ء

عرفانیات فانی — مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی — ۱۹۳۹ء

وجدانیات فانی — مطبوعہ ادبیہ چھتہ بازار، حیدرآباد

بیاض فانی — مملوکہ پروفیسر مغنی تبسم حیدرآباد

کلیات فانی — مطبوعہ ترکمان گیٹ، دہلی

شرح دیوان فانی — شارح ڈاکٹر افتخار بیگم صدیقی — ۱۹۸۴ء

فانی بدایونی حیات، شخصیت اور شاعری) — پروفیسر مغنی تبسم مطبوعہ نیشنل بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد۔ ۱۹۶۹ء

علی گڑھ میگزین (فانی نمبر) — مرتبہ ساجد علی خاں راز

غزلیات

ردیف (الف)

①

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اُس بزم میں ہُشیار ہُوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سُن کے تو بیمار ہُوا بھی نہیں جاتا

دشواریِ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہُوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غم خوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دُور
کیا خاکِ رہِ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اب خوگرِ آزار ہوا بھی نہیں جاتا

②

سرِ ہوش برق گرتی وہ، ہجوم ناز ہوتا
وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز ہوتا

خبر اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں
مری توبہ چاہتی ہے درِ توبہ باز ہوتا

مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

۳

یہ کس قیامت کی بےکسی ہے نہیں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطر بے قرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا

نشان تربت عیاں نہیں ہے نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہے
مزار میرا کہاں نہیں ہے کہیں نہیں ہے مزار میرا

وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیوں کر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار دل کا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا

نگاہِ دل دوز کی دُہائی جمال جاں سوز کی دُہائی
رہِ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا

میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمھیں یقیں وفا نہیں ہے
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمھیں نہیں اعتبار میرا

قدم نکال اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے سہل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہے انتظار میرا

سنا ہے اٹھا ہے اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لے کر
طواف دشت جنوں کو شاید گیا ہے فانیؔ غبار میرا

۴

جل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا — چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا
میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر — کیا یہ ساری عمر منھ تکتی رہیں تقدیر کا
میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہ خلش — یاد ہے گم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا
عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اب دل نہیں — آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا
آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے — کیا مزے کا ہے تقاضا عذر بے تقصیر کا
کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف — کانپ اُٹھا ہر ذرّہ میری خاک دامنگیر کا
برق کو اب کیا غرض کیا رہ گیا کیا جل گیا — جل گیا خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا

فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری حالِ فانیؔ کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

(۵)

ناوکِ ناز ترا کوئی خطا کرتا ہے اڑ گیا ایک اشارے میں نشانا دل کا
حسرتیں جن کے نکلنے کی نہیں کچھ امید ڈھونڈتی پھرتی ہیں سینہ میں ٹھکانا دل کا
ہائے وہ دھن تجھے مشقِ ستمِ بیجا کی ہائے وہ روز نئے ظلم اٹھانا دل کا

ہائے وہ جوشِ جنوں ہائے وہ وحشت فانیؔ
یاد آتا ہے ہمیں کوئی زمانا دل کا

(۶)

ٹوٹا طلسم ہستیٔ فانیؔ کے راز کا احسان مند ہوں المِ جاں گداز کا
تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس عنوانِ شوق ہوں گلۂ ہائے دراز کا
عبرت سرائے دل میں ہوں آوازِ دورباش مارا ہوا ہوں خاطرِ حسرت نواز کا
اٹھتی نہیں ہے تہمتِ نظارۂ جمال منھ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
ناآشنائے لطف ہوں بیگانۂ عتاب صورت شناس ہوں نگہِ امتیاز کا
احساسِ غیرِ بادہ گوارا ہوا مجھے لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا

فانیؔ دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہے مرے چارہ ساز کا

(۷)

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا ایک گوشہ ہے یہ دُنیا اسی ویرانے کا
اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لیے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
راز کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لے جا کے سُلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

وحدتِ حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشم ساقی اثر مئے سے نہیں ہے گلرنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوح دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں
کُن ہے انداز رقم حسن کے افسانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا [1]

کس کی آنکھیں دمِ آخر مجھے یاد آئی ہیں
دل مرقع ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا [2]

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی
آپ کی جان سے دور آپ کے مر جانے کا [3]

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

(۸)

تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا
دل اس کے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا

شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام اے اجل اب خنجر قاتل سے نکلے گا

نگاہ شوق میرا مدعا تو اُن کو سمجھا دے
مرے مُنھ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلف برطرف اے ضبط نالہ دل سے نکلے گا

تصور کیا ترا آیا قیامت آگئی دل میں
کہ اب ہر ولولہ باہر مزار دل سے نکلے گا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائے گا فانی
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

۱-۲-۳ ؎ یہ تینوں شعر دیوان فانی میں اس غزل سے الگ ہیں۔

۹

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا
دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا

اب بھی ہے ترے بیمار کے منھ پر رونق
جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

دلِ آگاہ سے کیا کیا ہمیں امیدیں تھیں
وہ بھی قسمت سے چراغِ تہِ داماں نکلا

دل بھی تھا منھ سے بس اک آہ نکل جانے تک
آگ سینے میں لگا کر غمِ پنہاں نکلا

چارہ گر ناصحِ مشفق دلِ بے صبر و قرار
جو ملا عشق میں غم خوار وہ ناداں نکلا

گر سکوں منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ
کہ وہ در پردہ مرا حالِ پریشاں نکلا

بجلیاں شاخِ نشیمن پہ بچھی جاتی ہے
کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا

بے جنوں سے بھی توقع نہیں آزادی کی
چاکِ داماں بھی باندازۂ داماں نکلا

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر
ہائے وہ مطلبِ دشوار کہ آساں نکلا

شوقِ بیتاب کا انجام تحیر پایا
دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیراں نکلا

اس نے کیا سینۂ صد چاک سے کھینچا فانی
دل میں کہتا ہوں، وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

۱۰

کسی کے ایک اشارے میں کس کو کیا نہ ملا
بشر کو زیست ملی موت کو بہانہ ملا

مذاقِ تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا

دبی زباں سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا

خدا کی دین نہیں ظرفِ خلق پر موقوف
یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ ملا

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر
کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار
کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا

تلاشِ خضر میں ہوں روشناسِ خضر نہیں
مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا

نشانِ مہر ہے ہر ذرہ ظرفِ مہر نہیں
خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا

مری حیات ہے محروم مدعائے حیات　　وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقش پا نہ ملا

وہ نامراد اجل بزم یاس[1] میں بھی نہیں
یہاں بھی فانی آوارہ کا پتا نہ ملا

(۱۱)

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا
ہم قفس راز اسیری کیا کہیں کیوں کر کھلا

فرصت رنج اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے
اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا

اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے وہ دو اثر
واں کھلا باب اجابت یاں قفس کا در کھلا

اُف اس آزادیِ بے ہنگام کی مجبوریاں
میں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا پر کھلا

عجلت پرواز جب ملنے بھی دے راہ گریز
یوں تو کھلنے کو قفس کا در کھلا اکثر کھلا

بند ہے باب قفس ہو سر تو ٹپکے جائیے
ہم نے دیکھا ہے قفس کی تیلیوں میں در کھلا

کم تو کیا صیاد بے تابی سوا ہو جائے گی
تو نے ناحق تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا

آسماں گرم تلافی چاہیے کیسا قفس
بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا

ہجر ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ
بند در ہر شیشہ خالی دل بھرا ساغر کھلا

لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی
ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

دل میں زخم آنکھوں میں خوں صورت بعالم میرس
وہ نگہ اُف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا

دم بخود سکتے کا عالم مردنی چھائی ہوئی
رنگ میری زندگی کا میری میت پر کھلا

دل میں تیرا دھیان اک مدت رہا بیگانہ وار
کھلتے ہی کھلتے کھلا اور کیا ہی شرما کر کھلا[2]

دیکھیے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہے قفس کا در کھلا

---

[1] یاس عظیم آبادی۔
[2] یہ شعر دیوان فانی میں ہے۔

۱۲

کہتا ہے غمِ یار میں ہوں جانِ تمنّا
دنیا ہے مری عالمِ امکانِ تمنّا

مضمون تو مکتوبِ ازل کا نہیں معلوم
لکھا ہے مرے خون سے عنوانِ تمنّا

آہستہ گزر صرصرِ غم وادیٔ دل میں
برباد نہ کر خاکِ شہیدانِ تمنّا

جز داغ نہیں کوئی چراغ سرِ تربت
سینہ ہے مرا گورِ غریبانِ تمنّا

ہے یاد تری رونقِ خلوت گہِ خاطر
ہے ذکر ترا شمعِ شبستانِ تمنّا

نالے ہیں نہ آہیں نہ خلش ہے نہ تپش ہے
باقی نہ رہا کوئی زبان دانِ تمنّا

کیفیتِ ناکامیٔ دل کیا کہوں فانیؔ
دل ٹوٹ گیا توڑ کے پیمانِ تمنّا

۱۳

کچھ کم تو ہوا رنجِ فراوانِ تمنّا
آغازِ جنوں گو نہیں پایانِ تمنّا

پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں
یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنّا

گو چاک ہوا دل مگر ارمان نہ نکلے
بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنّا

افسانہ مرا خوابِ زلیخائے محبت
جلوہ ہے ترا یوسفِ کنعانِ تمنّا

جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اس کی
دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنّا

اک جان ہے وہ خیر سے وارفتۂ غم ہے
اک دل ہے سو ہے سوختہ سامانِ تمنّا

فانیؔ کا دم اک دن ترے قدموں پہ نکل جائے
دل کی یہ تمنّا ہے اب اے جانِ تمنّا

۱۴

مدت سے ہے دل خانۂ ویرانِ تمنّا
اب کوئی تمنّا ہے نہ سامانِ تمنّا

سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار میں مجھ میں
میں آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنّا

پہلو بھی بدلنے نہیں پاتے مرے ارماں
اب ضبط سے دل ہے ادبستانِ تمنّا

کیا چارہ گر اب بھی تجھے امیدِ شفا ہے — یہ زخم ہے یہ دل ہے یہ پیکانِ تمنا
آلودہ نہیں خون تمنا سے وہ دامن — رنگیں ہے مرے خون سے دامانِ تمنا
اللہ بچائے نظرِ یاس سے دل کو — امید ہے پھر سلسلہ جنبانِ تمنا
یہ سحر ہے فانی کہ غمِ عشق ہے کیا ہے
دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنا

(۱۵)

حاصلِ علم بشر جہل کا عرفاں ہونا — عمر بھر عقل سے سیکھا کیے ناداں ہونا
چار زنجیرِ عناصر پہ ہے زنداں موقوف — وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنباں ہونا
جمع کرتا ہوں گریباں کے نکالے ہوئے تار — یاد آیا ہے مجھے سر بہ گریباں ہونا
دل بس اک لرزشِ پیہم ہے سراپا یعنی — ترے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا
فالِ افزونیِ مشکل ہے ہر آسانیِ کار — میری مشکل کو مبارک نہیں آساں ہونا
راحتِ انجامِ غم اور راحتِ دنیا معلوم — لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا
دے ترا حسنِ تغافل جسے جو چاہے فریب — ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا
ہائے وہ جلوۂ ایمن وہ نگاہِ سرِ طور — فتنہ ساماں سے ترا فتنۂ ساماں ہونا
خاکِ فانی کی قسم ہے تجھے اے دشتِ جنوں
کس سے سیکھا ترے ذرّوں نے بیاباں ہونا

(۱۶)

نہیں منظور تپِ ہجر کا رسوا ہونا — تیرے بیمار کا اچھا نہیں اچھا ہونا
ناصحا وسعتِ کاشانۂ جنوں خیز نہیں — ورنہ کیا فرض ہے آوارۂ صحرا ہونا
بس اب اے ضبط زیادہ مجھے مجبور نہ کر — ہے مری آنکھ کی تقدیر میں دریا ہونا
کس سے کھلتے ہیں تری زلفِ گرہ گیر کے بل — کوئی آسان ہے یہ عقدۂ دل وا ہونا

لہ یہ شعر دیوان فانی میں ہے۔

نگہِ ناز کو آساں ومِ خنجر بننا ۔۔۔ لبِ جاں بخش کو دشوار مسیحا ہونا

ہائے باتوں میں تری لغزشِ مستانۂ ناز ۔۔۔ ہائے آنکھوں میں تری نشۂ صہبا ہونا

ہمہ تن داغِ غمِ عشقِ بتاں ہوں فانیؔ

دل سے بھاتا ہے مجھے نقشِ سویدا ہونا

۱۷

قربانِ عشق موت بھی آئی تو کیا ہوا ۔۔۔ اس تیرِ بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

کیوں خونِ دل لگی ہی رہے گی جگر میں آگ ۔۔۔ اے ننگِ عاشقی تری غیرت کو کیا ہوا

قاتل سنبھل کہ یہ نگہِ واپسیں نہیں ۔۔۔ خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے ۔۔۔ پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈھتا ہوا

طوفان ہی ایک کیا مجھے طوفان سے کم نہیں ۔۔۔ لنگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول ۔۔۔ تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہوا

فانیؔ طلسمِ رازِ حقیقت یہ ہے کہ ہے

تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

۱۸

یہ ضبط بھی ادب آموزِ امتحاں نہ ہوا ۔۔۔ کوئی ستم کبھی تقریبِ الاماں نہ ہوا

سبک سری ہے تری عشق سے سبکدوشی ۔۔۔ بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

اجل کے زیرِ اثر ہو وہ نقشِ ہستی کیا ۔۔۔ ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیاں نہ ہوا

کسی کی پرسشِ پنہاں سے کیوں ہو دل مطلب ۔۔۔ وہ حال جو کبھی منت کشِ زباں نہ ہوا

فغاں نے کوئی اثر تو کیا یہ کیا کم ہے ۔۔۔ یہی سہی کہ دہ آزردۂ فغاں نہ ہوا

دل آپ یار سے رودادِ غم کہے تو کہے ۔۔۔ مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

جہانِ جاں میں نہیں یادِ یار دل میں نہیں ۔۔۔ جمالِ یار کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے ۔۔۔ ترا شباب ہوا دورِ آسماں نہ ہوا

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانیؔ

ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

۱۹

وحشتِ عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا — عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر — موت نے عمرِ دوروزہ کا بہانا چاہا

پھر سمجھ اے بے خبری تجھ میں کمی ہوتی ہے

درد نے کیا مجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

۲۰

حالِ دل کس امید پر کہیے — جب تمھیں اعتبار ہی نہ رہا

بے قراری کہاں کہ دل ہی نہیں — ہائے وہ بے قرار ہی نہ رہا

دل کی اب روک تھام کون کرے — ضبط پر اختیار ہی نہ رہا

اب کوئی آرزو نہیں فانیؔ

دلِ امیدوار ہی نہ رہا

۲۱

مجھ کو مرے نصیب نے روزِ ازل نہ کیا دیا — دولتِ دو جہاں نہ دی اک دلِ مبتلا دیا

دل ہی نگاہِ ناز کا ایک ادا شناس تھا — جلوۂ برقِ طور نے طور کو کیوں جلا دیا

قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی — یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا

روزِ جزا گلہ تو کیا شکرِ ستم ہی بن پڑا — ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں — آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

دل میں سما کے پھر گئی آس بندھا کے پھر گئی — آج نگاہِ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا

اُف کہ گنہگار ہم ہیں تو مگر خطا معاف — اٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو ہے دکھا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے — آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات — چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا

گریۂ آتشیں کی داد دے شب غم تو کون دے — خود سر شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا امید کو موت کا آسرا دیا

(۲۲)

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے قرار رو دیا — دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رو دیا
کیا اس کو بے قراری یاد آ گئی ہماری — مل مل کے بجلیوں سے ابر بہار رو دیا
آیا ہے بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں — دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رو دیا
نازک ہے آج شاید حالت مریض غم کی — کیا چارہ گر نے سمجھا کیوں زار زار رو دیا
کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں — اک بے قرار تڑپا اک دل فگار رو دیا

فانیؔ کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رو دیا

(۲۳)

بہتے بہتے سارے آنسو بہہ گئے — رونے روتے آنسوؤں کو رو لیا
لو تمھارے سر ہے میری منصفی — دل مرا تم نے لیا؟ بولو لیا
داغ دل پہلو سے یوں مٹتا نہ تھا — آب خنجر سے یہ دھبہ دھو لیا

آئے دنیا میں تو ساتھ آئی اجل
یا نئے دشمن پیچھے پیچھے ہو لیا

(۲۴)

اے اجل اے جان فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا — مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا
جب نراز کر آگیا ہم دفعتہً چپ ہو گئے — وہ چھپایا راز دل ہم نے کہ افشا کر دیا
کس قدر بیزار تھا دل مجھ سے ضبط شوق پر — جب کہا دل کا کیا ظالم نے رسوا کر دیا
یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے — بزم میں گویا مری جانب اشارا کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں
دردیاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی
پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

رنج پایا، دل دیا، سچ ہے، مگر یہ تو کہو
کیا کسی نے دے کے پایا، کس نے کیا پا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو دار و گیرِ ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

فانیؔ مہجور تھا آج آرزو مندِ اجل
آپ نے آ کر پشیمانِ تمنا کر دیا

(۲۵)

وہ پوچھتے ہیں ہجر میں ہے اضطراب کیا
حیران ہوں کہ دوں انہیں اس کا جواب کیا

دل اور وہ بھی صرف مرا دردمند دل
تیری نگاہ نے یہ کیا انتخاب کیا

جاتی نہیں خلشِ الم روزگار کی
اے آسماں ہوا وہ ترا انقلاب کیا

نظارۂ جمال کی یاں تاب ہی نہیں
اے برقِ حسن چاہیے تجھ کو نقاب کیا

وعدہ بھی کر لو۔ وعدہ پہ یاں آ بھی جاؤ تم
یہ سب سہی تمہاری "نہیں" کا جواب کیا

بیش از گمانِ خواب نہیں فرصتِ حیات
فانیؔ تم اس خیال کو سمجھے ہو خواب کیا

(۲۶)

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجیے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

ؔ یہ شعر دیوان میں ہے۔

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنّا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

اس نے عدو کا سوگ کیا یاں اس سے وفا کی آس بندھی
داغِ تمنّا، رنگ حنا کی دیکھا دیکھی چھوٹ گیا[1]

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میّت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

(۲۷)

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسٰی کو نوید کہ بیمار مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اتر گیا

دنیا میں حال آمد و رفت بشر نہ پوچھ
بے اختیار آ کے رہا بے خبر گیا

شاید کہ شامِ ہجر کے مارے بھی جی اٹھے
صبحِ بہارِ حشر کا چہرہ اتر گیا

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں دل اِدھر آیا اُدھر گیا

میں نے دیا کہ تم نے لیا دل تمھیں کہو
تم دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے شکایتِ زخمِ جگر غلط
دل سے گزر کے تیر تمہارا کدھر گیا

دل کا علاج کیجیے اب یا نہ کیجیے
اپنا جو کام تھا وہ غمِ یار کر گیا

کیا کہیے اپنی گرم روئیہائے شوق کو
کچھ دُور میرے ساتھ مرا راہبر گیا

فانیؔ کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

(۲۸)

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا
کیوں آسماں وہ باغ ہی سارا اُجڑ گیا

---

[1] یہ شعر دیوان میں ہے۔

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لیے — میری وفا وہ کام جو بن کر بگڑ گیا
دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے — اللہ ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا
صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا — بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا
ہوتا ہے آج فیصلہ امید و یاس کا — مٹتا ہے اب وہ دل جو بسا اور اُجڑ گیا
بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کیے بغیر — کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا
بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ — کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا اُدھڑ گیا
اللہ رے جوشِ بادِ بہاری ترا اثر — پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا
وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی — جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

اک حشر اور چاہیے اس رُو سیاہ کو
فانیؔ زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا

۲۹

دیکھنا پھر حشر میں کیا حشر برپا ہو گیا — وہ سراپا حشر جب ہنگامہ آرا ہو گیا
زندۂ جاوید فانیؔ نام اپنا ہو گیا — سحرِ الفت رشکِ اعجازِ مسیحا ہو گیا
نذر دینے لائے تھے ہم جلوۂ جاناں کو دل — وہ بھی صرفِ کشمکش ہائے تماشا ہو گیا
اپنی مشت خاک بھی پہنچی نہ کوئے یار تک — ہائے بختِ نارسا تیرا ہی چاہا ہو گیا
شکوہ طاقت ربائی ہائے غم کیا کیجیے — حالِ دل کیا کہیے کیوں کر آشکارا ہو گیا
روئیں کیا رودادِ عبرت خیزِ عشقِ قیس پر — وائے ناکامی وہ اپنا ہی فسانا ہو گیا

زندگی اتنی ہی تھی، جینا مقدر ہی نہ تھا
رازِ عشقِ یار فانیؔ مفت رسوا ہو گیا

۳۰

زمانِ رخصتِ طفلی ہے لو شباب آیا — سوا پہر رخِ روشن کا آفتاب آیا
بہت دنوں یہی کہہ کہہ کے دم دیے دل کو — ذرا ٹھہر دلِ مضطر کہ اب جواب آیا
لگا میں بلا نوش[illegible]ں یاد ساقی میں — جو پھر کے زہر سے بھی ساغرِ شراب آیا

وہ آئے گورِ غریباں میں، جی اٹھے مُردے — جلو میں فتنۂ محشر بھی ہم رکاب آیا
جگر میں درد نے اُٹھ اُٹھ کے چٹکیاں لے لیں — ذرا بھی گر شبِ غم میں خیالِ خواب آیا
کوئی ہو شیخ ہو یا برہمن ہو اے فانی
گیا جو میکدۂ عشق میں خراب آیا

(۳۱)

آن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا — اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا
برپا تھا دل کی لاش پر اک محشرِ سکوت — تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا
امیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے — شاہد ہے خود گناہ کہ توبہ پوش تھا
فردائے حشر خیر سے آنکھوں کا تھا قصور — ہر رُخ مری نگاہ کا تصویر دوش تھا
ہر شردۂ نگاہ غلط جلوہ خود فریب — عالم دلیلِ گمرہیٔ چشم و گوش تھا
وحشت بقیدِ چاک گریباں روا نہیں — دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا
پی اور وہ پی ازل میں کہ اُتری نہ حشر تک — یادش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا
محرومیاں، ذریعۂ الہام ذکر تھیں — نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا
فانی تنک بضاعتیٔ غم کا کیا علاج
ہر قطرہ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

(۳۲)

خونِ ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا — لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا
نورِ برقِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے — ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلہ بے ہوش تھا
ہائے کیا دن ہیں کہ نقشِ سجدہ ہے اور سر نہیں — یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا
عشق کی دُنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی — تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا
دل کی ہر کروٹ میں اک دُنیا بنی اک مٹ گئی — ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا
سرگزشتِ عمر کہیے اس کو یا رودادِ عشق — دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا
کیا یہ فانی کر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

۲۳

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈیے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہے یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے
کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا

بتا اب اے جرس دور میں کدھر جاؤں
نشان گرد رہ کارواں نہیں ملتا

مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا

تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دل ناتواں نہیں ملتا

کسی نے تجھ کو نہ جانا مگر یہ کم جانا
یہ راز ہے کہ کوئی رازداں نہیں ملتا

مجھے عزیز سہی قدر دل تمھیں کیوں ہو
کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیار عمر میں اب قحط مہر ہے فانی
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

۲۴

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوہ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر
قید آداب تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تو مضراب جنوں ساز انا لیلیٰ چھیڑ
ہائے وہ شور انا القیس کہ محمل سے اٹھا

اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی
لطف سعی عمل اس مطلب حاصل سے اٹھا

عذر امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بار فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبر قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاک رہ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مرجانے کا — دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اُٹھا
موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آساں نہ اٹھی — زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اُٹھا

کس کی کشتی تہِ گرداب فنا جا پہنچی
شورِ لبیک جو فانیؔ لبِ ساحل سے اُٹھا

(۳۵)

نذرِ دردِ دل غمِ دُنیا کیا — اک مٹایا داغ اک پیدا کیا
رونمائے جوشِ حیرت تھی نگاہ — آئینہ منھ آپ کا دیکھا کیا
بجلیاں بھر دیں نگاہِ یار میں — تو نے آہِ آتشیں یہ کیا کیا
وسعتِ دل تھی بقدرِ دادِ عشق — قطرہ دریا تھا جسے دریا کیا
نالہ کیا ہاں اک دھواں سا شامِ ہجر — بسترِ بیمار سے اٹھا کیا
سخت نازک تھا مزاجِ دردِ عشق — دل فدائے حسنِ بے پروا کیا

زیست تھی بے کار فانیؔ دل کے بعد
جان بھی قربان کی اچھا کیا

(۳۶)

جمالِ خود رخِ بے پردہ کا نقاب ہوا — نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا
ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض — وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرف خواب ہوا
سکونِ قلب میسر ہے موت ہی سے سہی — غرض کہ خاتمۂ رنجِ اضطراب ہوا
وہ جلوہ مفتِ نظر تھا نظر کو کیا کہیے — کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا
اُلٹ گئی مری امید و بیم کی دُنیا — یہ کیا نظامِ تمنا میں انقلاب ہوا
گناہگار سہی دل مگر قصور معاف — ظہورِ شوق [illegible] ہوا

قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیٔ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

(۳۷)

جلوۂ عشق حقیقت تھی حسنِ مجاز بہانہ تھا
شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا

شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں
آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا

عہد جوانی ختم ہوا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
ہم بھی جیتے تھے جب تک مرجانے کا زمانہ تھا

دل اب دل ہے خدا رکھے ساقی کو منہانے کو
ورنہ کسے معلوم نہیں ٹوٹا سا پیمانہ تھا

فانی گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھی سے نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

(۳۸)

بوئے خزاں سے مست ہیں یاد نہیں بہار کیا
ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا

دل ہے تری نگاہ تک جان ہے ایک آہ تک
حوصلۂ امید کیا ظرفِ امیدوار کیا

محوِ فروغِ ذات ہوں بے خبرِ صفات ہوں
کوئی ہو شمع بزم کیا شمعِ سرِ مزار کیا

ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر
دغدغۂ حساب کیوں شکوۂ روزگار کیا

حاصلِ سوا جفا سہی مجھ پہ ہے غیر پر نہیں
جوششِ سیلِ گریہ کون ضبط کو ناگوار کیا

جو غمِ بے اثر نہ ہو جو شبِ بے سحر نہ ہو
وہ غمِ انتظار کب وہ شبِ انتظار کیا

اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دن ہے منحصر
وعدۂ دید چاہیے زحمتِ انتظار کیا

کھیل تھا سب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا
آرزوؤں کی کیا بساط شوق کا کاروبار کیا

فانی اب اپنی زندگی حسن عتاب یار ہے
دیکھیے مرگِ ناگہاں لائے پیامِ یار کیا

(۳۹)

میں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا
وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا

دیدنی ہے رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد
تم ابھی کیا دیکھتے ہو تم کے خنجر دیکھنا

ذکرِ خورشید قیامت سن کے واعظ کیا کہوں
خیر اس تردامنی کو روزِ محشر دیکھنا

نا سوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر گیا
چشم کافر کا وہ دل لے کر مکرر دیکھنا

سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں
ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدر دیکھنا

یہ ہے دل کو چین آ جانے کی ضامن موت ہے
تم کسی دن نبض دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا

مژدہ فصل گل کا لائے تو سہی باد بہار
ہر کڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا

جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں
ہے کوئی یہ دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا

تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی
ساغر اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانیؔ ہر آواز شکست دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

(۴۰)

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا
کلیم برق طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

بتایئے نہ حال دل نہ حال پوچھتا ہوں میں
مآل پوچھتا ہوں میں دل وفا خراب کا

تجلیات وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل
کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا

دلِ اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں
خدائے بے نیاز ہے جہان اضطراب کا

خطاب روز حشر کی صدائے بازگشت ہوں
جواب بے سوال ہوں سوالِ بے جواب کا

جہانِ بے سکوں میں سکون ہی سکون تھا
میری نگاہ مضطرب ہے راز انقلاب کا

وہ صرف صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہے
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگ کامیاب کا

(۴۱)

کمال ہوش ہے یوں بے نیاز ہوش ہو جانا
ترے آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا

ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں
جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

وہی برقِ تجلی کارفرما اب بھی ہے لیکن
نگاہوں کو میسر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا

شب وعدہ خدا نا کردہ وہ آئیں نہ موت آئے
تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا

خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمع سوزاں ہوں
جلے جانا جسے ممکن ہے یا خاموش ہو جانا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہت گل کو چمن برد وش ہو جانا
خدا دشمن کو بھی یہ خواب محرومی نہ دکھلائے
ادھر ایمائے پرسش اور ادھر خاموش ہو جانا
قیامت ہے یہ ٹکڑا داستان عشق کا یعنی
مرے راحت طلب دل کا اذیت کوش ہو جانا
مرقع ہے کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانیؔ
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

(۴۲)

جلوہ گاہِ نازِ جاناں جب مرا دل ہو گیا
سامنا فانیؔ مجھے دل کا بھی مشکل ہو گیا
مژدۂ تسکین سے بے تابی کے قابل ہو گیا
دل پہ جب تیری نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا
کر کے دل کا خون کیا بے تابیاں کم ہو گئیں
جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا
سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا
طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیے
ذرہ ذرہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا
موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
دردِ فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا
دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانیؔ درد اب دل ہو گیا

(۴۳)

جگر خراش ہے حال ان تباہ حالوں کا
جنھیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا
کیا سوال تو آوازِ بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہے مرے سوالوں کا
جنونِ شکوۂ بیداد پر خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا
تعینات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والوں کا
کسی کی غم کی کہانی ہے زندگی فانیؔ
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا

حجاب اگر من و تو کا نہ درمیاں ہوتا
پیام حسن محبت کی داستاں ہوتا

تری تلاش کا افسانہ گریباں ہوتا
رہ مجاز کا ہر ذرّہ اک زباں ہوتا

مراد جو دے ہے میری نگاہ خود نشناس
وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو راز داں ہوتا

کمال ضبط غم عشق اے معاذاللہ
کہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بنائے جلوہ گہ ناز ہے جبیں نیاز
جو درد عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوتِ غم صرفِ دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکون خاطر بلبل ہے اضطرابِ بہار
نہ موج بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز
کوئی تو اہلِ وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غم فرقت نے ورنہ میں فانی
ہنوز ماتمیٔ مرگ ناگہاں ہوتا

(۴۵)

محتاج اجل کیوں ہے خود اپنی قضا ہو جا
غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

اے شوق طلب بڑھ کر مجنونِ ادا ہو جا
اے ہمتِ مردانہ راضی بہ رضا ہو جا

آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں
اے فتنۂ دوراں اٹھ اے حشر بپا ہو جا

ضد اور یہ ضد اے دل اچھا تو خدا حافظ
قرباں ہی اس بت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا

اس جانِ تمنا سے بے پردہ نہ شکوہ کر
وہ تجھ سے خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا

ہر قافلۂ دل کو تو مژدۂ منزل دے
ہر رہ گزرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا

یہ دردِ محبت بھی کیا شے ہے معاذاللہ
میں دردِ محبت سے کہتا ہوں سوا ہو جا

ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر
تو اپنی وفاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

اس ہستیٔ فانی سے کر قطع نظر فانی
تو دوست کا طالب ہے دشمن سے جدا ہو جا

(۴۶)

تیرا نگاہِ شوق کوئی راز داں نہ تھا
آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا

عالم بجز اعتبارِ نہاں و عیاں نہ تھا
یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا اور نہاں نہ تھا

اب تک تری گلی میں یہ رسوائیاں نہ تھیں
اب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا

کیا دن تھے جب مآلِ وفا کی خبر نہ تھی
وہ دن بھی تھے کہ حالِ وفا داستاں نہ تھا

تلقینِ صبر دل سے کوئی دشمنی نہ تھی
دیکھا یہ حال قابلِ شرح و بیاں نہ تھا

مفہوم کائنات تمھارے سوا نہیں
تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ
ہر شاخ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا

آغوشِ موت میں ترِ دامانِ یار ہوں
وہ دن گئے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آزردہ تھا کہ ضبطِ فغاں میں اثر نہیں
شرمندہ ہوں کہ ضبطِ فغاں رائیگاں نہ تھا

ہو بھی چکے تھے دامِ محبت میں ہم اسیر
عالم ابھی بقیدِ زماں و مکاں نہ تھا

اللہ رے بے نیازیٔ آدابِ التفات
دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا

میرے دلِ غیور کا حسنِ طلب تو دیکھ
گویا زباں پہ حرفِ تمنا گراں نہ تھا

تو نے کرم کیا تو بہ عنوانِ رنجِ زیست
غم بھی مجھے دیا تو غمِ جاوداں نہ تھا

فانیؔ فسونِ موت کی تاثیر دیکھنا
ٹھہرا وہ دل کہ جس پہ سکوں کا گماں نہ تھا

(۴۷)

اور تسلی سے سوا ہو گیا
دردِ جگر یہ تجھے کیا ہو گیا

موت کی نیند آ گئی بیمار کو
غیب سے سامانِ شفا ہو گیا

اور ہی بل ہے تری زلفوں میں آج
کون گرفتارِ بلا ہو گیا

چارۂ تپ ہجر کا اب کیا کروں
زہر بھی کم بخت دوا ہو گیا

اب بھی ترا وعدہ وفا ہو نہ ہو
موت کا وعدہ تو وفا ہو گیا

مفتِ دو عالم ہے وہ تیرِ نگاہ
جو مری شامت سے خطا ہو گیا

ہوش ہی تھا ہجر کہ میں آپ سے
آپ میں آتے ہی جدا ہو گیا

(۴۸)

زندگی کا کوئی پہلو ہی نہ تھا جو غم نہ تھا
ہوش کا سودا جنونِ عاشقی سے کم نہ تھا

یوں نہ تھے محرومِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق
وہ بھی دن تھے جب مزاجِ زندگی برہم نہ تھا

مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا امتیازِ قلب و سنگ
ورنہ حسنِ دوست کا آگے تو یہ عالم نہ تھا

دل کی قسمت ہی بُری تھی ورنہ کوئے دوست میں
تھا کوئی ذرہ جو دل کے درد کا محرم نہ تھا

رسمِ خودداری سے گو واقف نہ تھی دنیائے عشق
پھر بھی اپنا زخمِ دل شرمندۂ مرہم نہ تھا

رفتۂ بیمِ خزاں تھی اس چمن کی ہر بہار
خندۂ گل تھا مگر بے گریۂ شبنم نہ تھا

عرش کی منزل بھی تھی کیا بارگاہِ قلبِ دوست
کیا اب اتنا بھی اس آہِ نارسا میں دم نہ تھا

دل میں فانی اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا ماتم نہ تھا

(۴۹)

ہر دل کو تیرے غم نے مسلماں بنا دیا
توفیقِ اضطراب کو ایماں بنا دیا

رگ رگ کو دردِ دل نے رگِ جاں بنا دیا
اس کفرِ ماسوا کو بھی ایماں بنا دیا

جب درد کو امانتِ درماں ہوئی سپرد
درمانِ عشق کو غمِ درماں بنا دیا

میری نگاہ معترفِ عجزِ خاک تھی
تیری نظر نے خاک کو انساں بنا دیا

جب اس نے غم سے پردہ اٹھایا تو عشق تھا
جب دل کو بے نقاب کیا جاں بنا دیا

کیفیتِ نگاہِ سرور آفریں نہ پوچھ
شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا

ہر روئے گل کو جلوہ گہہ کیف صد بہار
ہر بوئے گل کو میکدۂ جاں بنا دیا

غم کو بنا کے محرمِ اسرارِ کائنات
ہر نقشِ غم کو پیکرِ انساں بنا دیا

دے کر دلِ فسردۂ فانی کو سوزِ عشق
ہر آرزو کو شعلہ بداماں بنا دیا

(۵۰)

خود برق ہو اور طورِ تجلا سے گزر جا
خود شعلہ بن اور وادیٔ سینا سے گزر جا

بے واسطۂ خود نگری اپنی طرف دیکھ
آئینہ اُٹھا حُسنِ خود آرا سے گزر جا

یہ نقشِ قدم ہیں رہِ بے منزلِ دل میں
فردا تو ہے فردا پسِ فردا سے گزر جا

اپنی ہی نگاہوں کا یہ نظّارہ کہاں تک
اس مرحلۂ سعیِ تماشا سے گزر جا

ذرّے میں ہے گم وسعتِ صد عالمِ صحرا
ذرّے کو سمجھ وسعتِ صحرا سے گزر جا

کر قطعِ نظر وسوسۂ قلب و نظر سے
ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا

کعبہ ہو کہ ہو دیر وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ
ہر منزل و ہر جادہ و ہر جا سے گزر جا

اے عزمِ خبر ہوش کے پردوں کو الٹ دے
اے ذوقِ نظر محملِ لیلا سے گزر جا

یوں سب کو بھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے
دنیا ہی میں رہنا ہے تو دنیا سے گزر جا

اُٹھ بزمِ تحیر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ
جا اور حدِ امکانِ تمنا سے گزر جا

لے دیدۂ دل کھول وہ کہتے ہیں ادھر دیکھ
دیکھ اور حدِ آدابِ تماشا سے گزر جا

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہے فانی
دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

(۵۱)

راز دل سے نہیں واقف دلِ ناداں میرا
تیرے عرفاں سے بھی دشوار ہے عرفاں میرا

اڑ چلے کیوں مری وحشت کے بکھرے ہوئے تار
کس کے دامن سے الجھتا ہے گریباں میرا

جلوۂ آتشِ پنہاں جسے غم کہتے ہیں
دل ہوا بجھ کے وہی شعلۂ عریاں میرا

کیوں جنوں پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہے مرے دامن سے گریباں میرا

کھول دے رازِ فریبِ غم و راحت نہ کہیں
خندۂ عیش پہ یہ گریۂ حیراں میرا

فطرتِ عشق کی آزاد اداؤں کو تو دیکھ
وسعتِ عالمِ تخیل ہے زنداں میرا

آدمِ نزع اد را ــ وعدۂ فردا بھی سہی
جان کے ساتھ نکل جائے نہ ارماں میرا

چشمِ نم حاملِ آثارِ جنوں ہے فانی
کھو گیا ہے اسی دریا میں بیاباں میرا

(۵۲)

تو اور درِ جاناں مگر اپنی سی تو کر جا
قسمت کو رسائی نہیں منظور مگر جا

ہستی دفنا راحت و ایذا سے گزر جا
جب سرحدِ دل سامنے آ جائے ٹھہر جا

بھر لے نگہِ آخرِ بیرنگ میں ہر رنگ
دنیا کو بھی لیتا ہوا دنیا سے گزر جا

خالی لیے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر
مے میرے مقدر میں نہیں زہر ہی بھر جا

ہے موت ہی اک زندگیِ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے تو مر جا

سرکارِ محبت میں خبر بے ادبی ہے
اے نشۂ دیوانگیِ ہوش اتر جا

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانیؔ میں بکھر جا

(۵۳)

کیوں جفا کیش کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا

اب جو ہیں تو نے وہ کی تھیں نہ بلائیں نازل
زلف بر دوش نہ تھا غیر سے ہم دوش نہ تھا

بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

بے تکلف نگہِ مست چھلکا دیتی تھی
میں تری بزم میں حسرت زدۂ نوش نہ تھا

نگہِ شوق نہ تھی کیفِ اثر سے محروم
میری قسمت میں غمِ بادۂ سرجوش نہ تھا

دلِ مشتاق نہ تھا شکوہ طرازِ تپِ ہجر
گلۂ غم کا مرقع لبِ خاموش نہ تھا

ظلمتِ شام میں تھا نورِ سحر کا عالم
آسماں صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا

تجھ میں اور تیرے تصور میں جدائی تھی محال
درمیاں کوئی حجابِ غمِ آغوش نہ تھا

یادِ ایام کہ فانیؔ کے سوا تیرا ذکر
فتنۂ ہر لب و آوارۂ ہر گوش نہ تھا

(۵۴)

فضائے شوق کا وہ شعلہ زارِ نور ہو جاتا   وہ اک اک ذرۂ دنیائے دل کا طور ہو جاتا
مجھی پر منحصر ٹھہرا مرا مہجور ہو جانا   مری ہستی ہے خود اپنی نظر سے دور ہو جاتا
اسیر بند دل ہو کر غم دنیا سے فارغ ہوں
مری آزادیوں کا راز ہے مجبور ہو جانا

(۵۵)

لے اعتبار وعدۂ فردا نہیں رہا   اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا
تم مجھ سے کیا پھرے کہ قیامت سی آگئی   یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا
کیا کیا کھلے نہ تم کہ ادھر دیکھتے نہیں   دیکھا تو کوئی دیکھنے والا نہیں رہا
آہیں ہجوم یاس میں کچھ ایسی کھو گئیں   دل آشنائے درد ہی گویا نہیں رہا
اللہ رے چشم ہوش کی کثرت پرستیاں   ذرے ہی رہ گئے کوئی صحرا نہیں رہا
دے ان پہ جان جس کو غرض ہو کہ دل کے بعد   ان کی نگاہ کا وہ تقاضا نہیں رہا
تم دو گھڑی کو آئے نہ بیمار کے قریب   بیمار دو گھڑی کو بھی اچھا نہیں رہا
فانیؔ بس اب خدا کے لیے ذکرِ دل نہ چھیڑ
جانے بھی دے بلا سے رہا یا نہیں رہا

(۵۶)

دا بہے کی یہ مشق بیہم کیا   یاس و امید۔ شادی و غم کیا
تم کو اس رازِ ماسوا کی قسم   تم پہ چھایا ہوا ہے عالم کیا
ان کے آگے غم اک فسانہ ہے   ان سے کہیے فسانۂ غم کیا

عیشِ رفتہ کی یاد سے حاصل — قصۂ خلد و ذکر آدم کیا
تا کجا آہ زیرِ لب آخر — انتہائے سکوت برہم کیا
غمِ دُنیا بقدرِ ظرف نہیں — حسرتِ بیش و شکوۂ کم کیا
سوزِ غم کی حدیں نہیں ملتیں — بجھ گئی آتشِ جہنم کیا
گرم و سرد زمانہ جو کچھ ہو — ورنہ فردوس کیا جہنم کیا

موت جس کی حیات ہو فانیؔ
اس شہیدِ ستم کا ماتم کیا

۵۷

جسے ترکِ حسرت کا ارمان ہوگا — پشیمان سا وہ پشیمان ہوگا
جسے لوگ کہتے ہیں عشاق کا دل — وہ تیرے ہی ملنے کا ارمان ہوگا
ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر — ستم بھی کرو گے تو احسان ہوگا
ترے عہدِ آزاد میں جوشِ وحشت — گریبان گویا گریبان ہوگا
نہیں کچھ وفاؤں پہ موقوف ظالم — مرے بعد تو بھی پشیمان ہوگا

بُرا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فانیؔ
وہ کافر نہ ہوگا مسلمان ہوگا

۵۸

جستجوئے نشاطِ مبہم کیا — دل میسر ہے لذتِ غم کیا
مستیٔ ہوش کے فسانے ہیں — جشنِ پرویز و عشرتِ جم کیا
ایک عالم کو دیکھتا ہوں میں — یہ ترا دھیان ہے مجسم کیا
اذنِ ہنگامۂ نگاہ نہ دے — کیا ہماری بساط اور ہم کیا
ننگِ رحمت ہے احتیاجِ دُعا — انتظارِ گدا سے مبرم کیا

میری فطرت ہے گوشِ برآواز — سن رہا ہوں نوائے محرم کیا
مٹ گیا نام عاشقی اب اور — چاہتا ہے وہ حسنِ برہم کیا
کاش پوچھو تو کچھ بتائیں ہم — حاصلِ شکوہ ہائے باہم کیا
دل کمالِ حیات ہے فانی
دل کے مارے ہوؤں کا ماتم کیا

(۵۹)

غمِ فانی و عیش برہم کیا — جا وداں ہو تو عیش ہے غم کیا
ہر تجلی ہے اک نظامِ جمال — لاکھ عالم ہیں ایک عالم کیا
تم سے نسبت ہے اعتبار اپنا — ہم تمھارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا
غم تو واعظ غمِ بہشت بھی ہے — امتیازِ غمِ جہنم کیا
لاگ ہے اپنی زندگی سے مجھے — اور ناسازگاریٔ غم کیا
یہ بھی اک التفات ہے ورنہ — دعوتِ نالہ ہائے پیہم کیا
یہ حجابات بھی اٹھا آخر — دلِ پُر درد و چشمِ پُر نم کیا
پھر ملی غیب سے نویدِ نشاط — غم کے ساماں ہوئے فراہم کیا
یاد فانی بخیر کیوں اے موت
اٹھ رہا ہے یہ شورِ ماتم کیا

(۶۰)

جن خاک کے ذروں پر وہ سایۂ محمل تھا — جو خاک کا ذرہ تھا وحشت کدۂ دل تھا
بیداد کی ہر تہ میں سو طرح سے شامل تھا — وہ جان کا دشمن جو کہنے کو مرا دل تھا
غم حسنِ مکمل تھا دل حیرتِ کامل تھا — تصویر کا آئینہ تصویر کے قابل تھا
ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے — دیکھا تو محبت میں یہ کام بھی مشکل تھا

آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں　　تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا
ہر باطل دہر تا حق اک رازِ حقیقت ہے　　جس شکل میں حق آیا وابستۂ باطل تھا
ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
یہ فانیٔ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

(۶۱)

وہ کہتے ہیں کہ ہے ٹوٹے ہوئے دل پر کرم میرا　　مگر منجملۂ آدابِ غم خواری ہے غم میرا
وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھتے　　پڑا تھا جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا
زہے تقدیر ناکامی کہ تیری مصلحت ٹھہری　　تری مرضی سے وابستہ ہوا اللہ رے غم میرا
نہ جانیں اس سفر کی منزلِ اول کہاں ہو گی　　فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا
میرے بجوشِ طلب کی شانِ استغنا کوئی دیکھے　　کہ میں رہبر سے آگے مجھ سے آگے ہے قدم میرا
میں وہ آزردۂ وہم مسرت ہوں معاذ اللہ　　کہ غم کو غم سمجھنے سے بھی گھبراتا ہے دم میرا
یہ محرومِ تبسم میر ساماں تبسم ہے　　تری بزمِ طرب میں معتبر ہے اشک غم میرا
اب آگے کس سے لکھا جائے آغاز محبت پر　　فسانہ ختم کر دیتے ہیں ارباب قلم میرا
مری آوارگی ہر قید سے بیزار ہے شاید　　کہ اب اس کی گلی میں بھی گزر ہوتا ہے کم میرا
بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا احسان ہے فانیؔ
وہ حادث ہوں کہ دنیا نے قدم بھرتی ہے دم میرا

(۶۲)

یہ نیاز عاشق ہے اور وہ ہے ناز اُن کا　　موت رازِ عاشق ہے زندگی ہے راز اُن کا
لطفِ اضطراب اٹھے یا مرا نقاب اٹھے　　کیا پیام لائی ہے اے شب دراز اُن کا
دل یہ جو نگاہیں تھیں رفتہ رفتہ آہیں تھیں　　عشق بن گیا آخر حسنِ جلوہ ساز اُن کا
وہ نگاہ پھر اُٹھ کر آئینے سے ٹکرائی　　صرف تازیانہ ہے پھر سمند ناز اُن کا

وہ ستم نہیں کرتے یوں کرم نہیں کرتے　　لطف خاص بے منت چاہتا ہے ناز اُن کا
رفتۂ نظر ہو جا سب سے بے خبر ہو جا　　کھل گیا ہے راز اپنا کھل نہ جائے راز اُن کا
موت کو تو یوں فانیؔ جان دی نہیں جاتی
ڈھونڈے کوئی حیلہ یہ بہانہ باز اُن کا

(۶۳)

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا　　داغ وجودِ حسرت سے تب دل کا دامن پاک ہوا
حال یہ میرے فرش کے ذرّے عرش کے تارے روتے ہیں　　آپ کی پلکیں تر کیا ہوتیں کوئی پلک نمناک ہوا
میرے سوا تھے اور جو پردے سارے کے سارے چاک ہوئے
یہ بھی اگر اللہ نے چاہا اب کوئی دم میں چاک ہوا

(۶۴)

ہمیں کھوئے گئے تجھ میں نہ جب تیرا پتا پایا　　نہ پایا مدعا ہم نے تو گویا مدعا پایا
ازل میں اہل دل نے باب رحمت سے نہ کیا پایا　　دعا پائی دعا کے واسطے دست دعا پایا
فریب جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذاللہ　　بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اٹھا پایا
یہ ہے رودادِ غم اوّل سے آخر تک کہ ظالم کو　　ستم ناآشنا دیکھا کرم ناآشنا پایا
مراد ردنہاں رسوائے اقصائے دو عالم ہے　　چھپا کر تم نے جو بخشا وہ میں نے برملا پایا
یہ ہے محشر میں دیدیار و وصلِ یار کا حاصل　　کوئی دیکھا ہوا دیکھا کوئی پایا ہوا پایا
مرے شکوے سپاس غم کی نَے ہیں دل سے اٹھتے ہیں　　فغاں کو میں نے آہنگِ طرب کا ہم نوا پایا
ترے مظلوم کی فریاد کام آہی گئی آخر　　دلِ مرحوم نے اک نالۂ آخر رسا پایا
وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بے وفا فانیؔ
وفا میں اس نے کیا پندارِ ترکِ مدعا پایا

۶۵

ادائے ہر نگہ التفات نے مارا — نویدِ مرگ و وعیدِ حیات نے مارا
یہی نہ ایک حقیقت کہ بے نیاز ہے تو — دلِ غیور کو اتنی سی بات نے مارا
کسی کے جلوۂ طاقت رُبا کو کیا دیکھوں — شکستِ رنگِ رُخِ کائنات نے مارا
جمالِ مطلقِ بے نام کی دہائی ہے — فریبِ ذات نے لوٹا صفات نے مارا
ہلاکِ تلخیٔ تاخیرِ موت ہوں فانیؔ
ثباتِ زندگیٔ بے ثبات نے مارا

۶۶

زیست کا حاصل بنایا دل جو گویا کچھ نہ تھا — غم نے دل کو دل بنایا ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا
وہ تو میرے سامنے تھے دیکھنے کی دیر تھی — میں نے آنکھیں بند کرلیں ورنہ پردا کچھ نہ تھا
یا الم کوشی رہی یا خود فراموشی رہی — دل کسی دن دل نہ تھا یا درد تھا یا کچھ نہ تھا
کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دے دی دل کے ساتھ — ان کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا
آپ کا دیوانہ تھا یہ ادعا باطل سہی
فانیؔ دیوانہ بھی تھا یا کچھ نہ تھا

۶۷

مشغلہ چاہیے کوئی غم و راحت کے سوا — حسرت اب کوئی نہیں صبر کی حسرت کے سوا
جب یہ کہتا ہوں محبت ہی سوا ہوتی ہے — غم کوئی اور عنایت ہو محبت کے سوا
کیا ہوئیں داورِ محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فردِ عمل میں تری رحمت کے سوا

۶۸

بیگانۂ اختیار ہو جا — راضی برضائے یار ہو جا
جینے کو یہ آسرا بہت ہے — اچھا ہے امید وار ہو جا
غیرت ہو تو غم کی جستجو کر — ہمت ہو تو بے قرار ہو جا
اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک — اٹھ اور جگر کے پار ہو جا

ماتم کدۂ وفا ہے عالم
فانیؔ دل سوگوار ہو جا

۶۹

دل کی کایا غم نے وہ پلٹی کہ تجھ سا بن گیا — درد میں دل ڈوب کر قطرے سے دریا بن گیا
ان کے آغوشِ مشیت میں ہے ناکامی مری — کام کچھ اس طرح بگڑا ہے کہ گویا بن گیا
دل کی رُت ایسی تو یا دیار نے بدلی نہ تھی — یہ چمن اجڑا ہی اس ڈھب سے کہ صحرا بن گیا
نقشِ موہومِ حیات افسانہ در افسانہ تھا — جب یہ نقش ابھرا تو اک حرفِ تمنا بن گیا
لو مبارک لذتِ غم بھی ہے اب تو ناگوار — دل محبت میں جو بننا چاہیے تھا بن گیا
جلوۂ کثرت خود اپنا شوق بے اندازہ تھا — محملِ لیلےٰ مری نظروں میں لیلا بن گیا

میری محرومی بھی رسوا ہے کہ فانیؔ حالِ دل
ان کے کانوں تک نہ پہنچا اور فسانہ بن گیا

۷۰

آشنا رسمِ جنوں سے نہیں سودا اپنا — عالمِ ہوش کا ہر ذرہ ہے صحرا اپنا
حسن بے تابِ تجلی ہے اور آنکھیں محروم — تھا مگر شوق ہی انکار تقاضا اپنا

کیوں فلک یہ کوئی گردش میں ہے گردش کہ ہنوز — تجھ سے بدلا نہ گیا رنگِ تمنّا اپنا

جا کے شاید پلٹ آیا تھا کہ منزل کے قریب — نظر آتا ہے مجھے نقشِ کفِ پا اپنا

دلِ ناکام تری یاد سے نومید نہیں — گل بداماں ہے ابھی خارِ تمنّا اپنا

عجز نظارہ ترے حسن کا پردہ ہے تو خیر — اسی پردے سے دکھا دے رُخِ زیبا اپنا

دلِ بے تاب کو پیغامِ سکوں ہے فانیؔ
چشم بد دور غمِ حوصلہ فرما اپنا

(۷۱)

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا — مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا

دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے — دنیا کی ہر ادا سے منھ پھیر کر گزر جا

اس بحرِ بے کراں میں ساحل کی جستجو کیا — کشتی کی آرزو کیا ڈوب اور پار کر جا

یہ دعوے خبر ہی عصیاں بھی ہے سزا بھی — بے ہوش ہو بے خبر رہ بے خوف و بے خطر جا

کثرت میں دیکھتا جا تکرارِ حسنِ وحدت — مجبورِ یک نظر آ مختارِ صد نظر جا

یہ میکدہ ہے پاسِ آدابِ میکدہ کر — اوّل خراب آ اور آخر خراب تر جا

گھبرا گیا خرد کی تاریکیوں سے فانیؔ
اے نورِ عشق دل کی گہرائیوں میں بھر جا

(۷۲)

دمِ حرماں زوالِ غم نہ ہوا — مرتے مرتے یہ درد کم نہ ہوا

جھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر — پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہوا

اس کو میرا نصیب کہتے ہیں — جو تری زلف خم بہ خم نہ ہوا

نگہِ قہر خاص ہے مجھ پر — یہ تو احساں ہوا ستم نہ ہوا

رہ گئی حسرتِ وفا باقی — دل کو اندازۂ ستم نہ ہوا

اب کرم ہے تو یہ گلہ ہے مجھے — کہ مجھی پر ترا کرم نہ ہوا
عشق میں زندگی کا ساری عمر — کوئی ساماں ہی بہم نہ ہوا
بُت نے ہر رنگ میں خدائی کی — دل مگر دیر سے حرم نہ ہوا
دم بھی فانیؔ کسی کے غم تک ہے
دم نہ ہوگا اگر یہ غم نہ ہوا

(۷۳)

جیب سوداماں کی حقیقت کا جو عرفاں ہوگیا — جا پڑیں جس تار پر نظریں رگِ جاں ہوگیا
ماسوا کی راہ سے جانا پڑا ہے سوئے دوست — کفر بھی دل کی بدولت جزو ایماں ہوگیا
دشنۂ غم کو مبارک نذرِ خونِ آرزو — زیست کو مژدہ کہ مرجانے کا ساماں ہوگیا
ان کے دیکھے تک ہے دل کے آئینہ کی بھی نمود — دیکھ لینا پھر کہ دل تصویرِ جاناں ہوگیا
اِس دلِ مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ — اُس نے جب اور جو چمن تاکا بیاباں ہوگیا
اس کے دامن سے اُلجھتا ہے ادب اے دستِ شوق — یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہوگیا
جو بہ فتوائے خرد مجنوں نہ ہو کامل نہیں — حیف وہ آزاد جو محرومِ زنداں ہوگیا
ادّعائے ضبطِ غم بالکل بجا یکسر دُرست — اور جو دل کا حال چہرے سے نمایاں ہوگیا
یاد ہے فانیؔ تجھے کوئی کہانی اور بھی
ختم کر افسانۂ غم دل پریشاں ہوگیا

(۷۴)

گل میں وہ اب نہیں ہے جو عالم تھا خار کا — اللہ کیا ہوا وہ زمانہ بہار کا
ہر ذرّہ جلوہ گاہ ہے ہر دل ہے چشمِ شوق — اللہ رے اہتمام تماشائے یار کا
پاتا ہوں آج بھی خلش نوکِ خار میں — بھولا نہیں ہوں لطف تبسم بہار کا
تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم — آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا

آئی ہے اے نسیم تو اس وقت تک ٹھہر — جب تک بجھے چراغ ہمارے مزار کا
میں نزع میں ہوں عہد وفا کا محل نہیں — وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا
جو تیری یاد میں نہ بسر ہو وہ ہر نفس — اک واہمہ ہے زندگیٔ مستعار کا
یہ درد لا علاجِ محبت دوا بھی ہے — تھا ورنہ کچھ علاج غم روزگار کا
فانی یقین وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا

(۷۵)

یوں نظم جہاں درہم و برہم نہ ہوا تھا — ایسا بھی ترے حسن کا عالم نہ ہوا تھا
پھر چھیڑ دیا وسعت محشر کی فضا نے — سودا ترے وحشی کا ابھی کم نہ ہوا تھا
یا عشرت دو روزہ تھا یا حسرت دیروز — وہ لمحۂ ہستی جو ابھی غم نہ ہوا تھا
صد حیف وہ گل ہو کفِ گلچیں میں جواب تک — آزردۂ آویزش شبنم نہ ہوا تھا
قاتل ہی مرا کیوں اسے کہتا ہے زمانہ — مانا وہ شریک صف ماتم نہ ہوا تھا
راز آج مرے دم سے ہوا رازِ محبت — کچھ راز نہ تھا جب کوئی محرم نہ ہوا تھا
پاتے ہی خجل رحم کا دریا امڈ آیا — پردہ مری آنکھوں کا ابھی نم نہ ہوا تھا
رسوا نہ کر اس سوز کو اے شمع لبِ گور — جو واقفِ دلسوزیٔ ہمدم نہ ہوا تھا
گھر خیر سے تقدیر نے ویرانہ بنایا — سامان جنوں مجھ سے فراہم نہ ہوا تھا
اک کفر سراپا نے کیا حشر کا قائل — میں معتقدِ حشرِ مجسم نہ ہوا تھا
ہر دل میں نئی شان تجلی ہے کہ فانی
نشتر ہے وہ انداز جو مرہم نہ ہوا تھا

(۷۶)

ستم گردش ایام اٹھا — ہر سحر اٹھ کے غم شام اٹھا

تم جیسے در سے اٹھا دیتے تھے — آج دنیا سے وہ ناکام اٹھا
عشق کا ایک قصور اور سہی — موت کے سر سے تو الزام اٹھا
ابر اٹھا سمت حرم سے زاہد — تو بھی سجادہ الٹ جام اٹھا

ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا
درد پھر لے کے ترا نام اٹھا

(۷۷)

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا — ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا
میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا — اللہ ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا
تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لیے ہوئے — پہلو میں آپ تھے کہ دل ناصبور تھا
ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزام زندگی — بے مہر کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا
بالیں پہ تم جب آئے تو آئی وہ موت بھی — جس موت کے لیے مجھے جینا ضرور تھا
تھی ان کے روبرو بھی وہی شان اضطراب — دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا
لطفِ حیات بے خلش مدعا کہاں — یعنی بقدرِ تلخیٔ صہبا سرور تھا

اٹھ کر چلے تو حشر بھی اٹھنا تھا کیا ضرور
ان کی گلی سے مدفن فانیؔ تو دور تھا

(۷۸)

دم کیا تن بسمل سے آسان نکل آیا — ارمان بھرے دل سے ارمان نکل آیا
وحشت کی بدولت ہم جس گھر سے نکل آئے — اس گھر سے تباہی کا سامان نکل آیا
تم شام شب فرقت بے ساختہ آ نکلے — یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا
ہم عرصۂ ہستی سے گزرے بھی تو کیا گزرے — اک اور قیامت کا میدان نکل آیا

آنکھوں کی خطا فانیؔ محشر میں عطا ٹھہری
طوفان اٹھایا تھا احسان نکل آیا

(۷۹)

سنگ در دیکھ کے سر یاد آیا — کوئی دیوانہ مگر یاد آیا
پھر وہ انداز نظر یاد آیا — چاکِ دل تا بہ جگر یاد آیا
ذوق اربابِ نظر یاد آیا — سجدہ بے منّتِ سر یاد آیا
ہر تبسّم پہ یہ کھاتا ہوں فریب — کہ انھیں دیدۂ تر یاد آیا
پھر ترا نقشِ قدم ہے درکار — سجدۂ راہ گزر یاد آیا
جمع کرتا ہوں غبارِ رہِ دوست — سرِ شوریدہ مگر یاد آیا
ہائے وہ معرکۂ ناوکِ ناز — دل بچایا تو جگر یاد آیا
آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا — میں بعنوانِ دگر یاد آیا
درد کو پھر ہے مرے دل کی تلاش — خانہ برباد کو گھر یاد آیا

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ
کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

(۸۰)

اللہ رے فسوں گر تری آنکھوں کا اشارا — پھر دل نے لیا دردِ محبت کا سہارا
موجوں سے بھی گزرے تہِ دریا کو بھی دیکھا — ملتا ہے کہیں بحرِ محبت کا کنارا

احساسِ محبت ہی مری موت ہے فانیؔ
اس زندگیِ دل نے مجھے جان سے مارا

(۸۱)

کیا چھپاتے کسی سے حال اپنا — جی ہی جب ہو گیا نڈھال اپنا

ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر — جس کی تصویر ہے خیال اپنا
وہ بھی اب غم کو غم سمجھتے ہیں — دُور پہنچا مگر ملال اپنا
تو نے رکھ لی گناہ گار کی شرم — کام آیا نہ انفعال اپنا
دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہے — یادِ جاناں قدم سنبھال اپنا
باخبر ہیں وہ سب کی حالت سے — لاؤ ہم پوچھ لیں نہ حال اپنا

موت بھی تو نہ مل سکی فانیؔ
کس سے پورا ہوا سوال اپنا

(۸۲)

ضبط اپنا شعار تھا نہ رہا — دل پہ کچھ اختیار تھا نہ رہا
دلِ مرحوم کو خدا بخشے — ایک ہی غمگسار تھا نہ رہا
آ کہ وقتِ سکونِ مرگ آیا — نالہ ناخوشگوار تھا نہ رہا
ان کی بے مہریوں کو کیا معلوم — کوئی امیدوار تھا نہ رہا
آہ کا اعتبار بھی کب تک — آہ کا اعتبار تھا نہ رہا
کچھ زمانے کو سازگار سہی — جو ہمیں سازگار تھا نہ رہا
اب گریباں کہیں سے چاک نہیں — شغلِ فصلِ بہار تھا نہ رہا
موت کا انتظار باقی ہے — آپ کا انتظار تھا نہ رہا

مہرباں یہ مزارِ فانیؔ ہے
آپ کا جاں نثار تھا نہ رہا

(۸۳)

وعدے کے یہ تیور ہیں کہہ دوں کہ یقیں آیا — اب اُن سے کوئی کیوں کر کہہ دے کہ نہیں آیا
کافر کی محبت میں ایماں کے لالے تھے — چھپ چھپ کے دُعاؤں میں وہ دشمنِ دیں آیا

یہ کوچۂ قاتل ہے آباد ہی رہتا ہے　　اک خاک نشیں اٹھا اک خاک نشیں آیا
دنیا کے گلے شکوے ہم حشر میں کیا کرتے　　کہنا تو بہت چاہا کچھ یاد نہیں آیا
پھر گورِ غریباں کا ہر ذرہ لرز اٹھا
فانیؔ کوئی دل شاید پھر زیرِ زمیں آیا

(۸۴)

بیخودی یہ تھا فانیؔ کچھ نہ اختیار اپنا　　عمر بھر کیا ناحق ہم نے انتظار اپنا
تا بہ ضبط غم نے بھی دے دیا جواب آخر　　ان کے دل سے اٹھتا ہے آج اعتبار اپنا
عشق زندگی ٹھہرا لیکن اب یہ مشکل ہے　　زندگی سے ہوتا ہے عہد استوار اپنا
شکوہ برملا کرتے خیر یہ تو کیا کرتے　　ہاں مگر جو بن پڑتا شکوہ ایک بار اپنا
غم ہی جی کا دشمن تھا غم سے دور رہتے تھے　　غم ہی رہ گیا آخر ایک غمگسار اپنا
لے گیا چمن کو بھی موسمِ بہار آکر　　اب قفس کا گوشہ ہے حاصلِ بہار اپنا
جھوٹ ہی سہی وعدہ کیوں یقیں نہ کر لیتے　　بات دلفریب ان کی دل امیدوار اپنا
انقلاب عالم میں ورنہ دیر ہی کیا تھی　　ان کے آستاں تک تھا خیر سے غبار اپنا
دل ہے مضطرب فانیؔ آنکھ محوِ حیرت ہے
دل نے دے دیا شاید آنکھ کو قرار اپنا

(۸۵)

عقل سے کام بھی لے عشق پہ ایماں بھی لا　　دل ہی تنگ ناز نہ کر جان بھی لا
تیری آمد کے تصدّق ترے جلوؤں کے نثار　　آ مری قبر پہ آ حشر کا سامان بھی لا
تو نے دل دے کے بس اک شان ہوس پیدا کی　　آن کا بندہ ہے تو نادان وہی شان بھی لا
غمِ شوریدگیٔ عشق کی تکمیل بھی کر　　رنج ناکامیٔ دل کے لیے ارمان بھی لا
جیب سے اک تار بھی دامن میں سلامت نہ رہا　　جوشِ وحشت کا تقاضا ہے گریبان بھی لا

بزمِ عالم میں فقط آنکھ نہ لا کان بھی لا ۔۔۔ دادِ نظارہ تو دی اب جو حقیقت ہے وہ سن

تجھ کو پھبتا نہیں اسلام کا دعوٰے فانیؔ
ورنہ وہ غیرتِ اسلام بھی لا آن بھی لا

(۸۶)

پھر ذوقِ تماشا کو مرہونِ اثر فرما ۔۔۔ فرصت ہو تو دل پر بھی پھر قصدِ نظر فرما
جب جان فدا کر لوں تو عشق کو رسوا کر ۔۔۔ جب میری خبر آئے تو شرحِ خبر فرما
یہ تیری خموشی بھی گو عینِ تکلم ہے ۔۔۔ مشتاقِ تکلم ہے کچھ پھر بھی مگر فرما
فرمانِ سحر تیرا ہر شام پہ جاری ہے ۔۔۔ یارب شبِ غم کو بھی تاکیدِ سحر فرما

فانیؔ نے تجھے چاہا تو بندہ نوازی کر
فانیؔ نے خطا کی ہے تو قطعِ نظر فرما

(۸۷)

عشقِ رسوا بھی کسی کا نازِ معشوقانہ تھا ۔۔۔ ہر محبت کا فسانہ حسن کا افسانہ تھا
قہر کی حد تک بھی تھا دشوار جن کا التفات ۔۔۔ مہر کی اُن سے توقع میں کوئی دیوانہ تھا
اُن کے آگے کھل گیا تھا شمع کا سارا فریب ۔۔۔ رات بزمِ دوست میں پروانہ ہی پروانہ تھا
عشق اور مایوسیاں کہنے کو ہیں ۔۔۔ عہدِ ترکِ آرزو خود آرزو مندانہ تھا
آپ کے غم کی بدولت دونوں عالم جمع ہیں ۔۔۔ ورنہ دل کچھ بھی نہ تھا لے دے کے اک ویرانہ تھا
وہ بھی تھی کتنی مذاقِ دید کی منزل سے دور ۔۔۔ جس نظر میں امتیازِ کعبہ و بت خانہ تھا
آسماں سے ہو چکا ساری بلاؤں کا نزول ۔۔۔ جس پہ آئی تھیں بلائیں وہ مرا غم خانہ تھا
ہم قیامت کو قیامت ہی نہ سمجھے صبحِ حشر ۔۔۔ حشر تک آنکھوں میں شاید جلوۂ جانانہ تھا

ہم نے پوچھا حالِ فانیؔ اور یہ سمجھے کچھ کہا
بات تو کچھ بھی نہ تھی اک نالۂ بیمارانہ تھا

تام بدنام ہے تا حق شبِ تنہائی کا — وہ بھی اک رُخ ہے تری انجمن آرائی کا
اُچلا ہے مجھے کچھ وعدۂ فردا کا یقین — دل پہ الزام نہ آجائے شکیبائی کا
اب نہ کانٹوں ہی سے کچھ لاگ نہ پھولوں سے لگاؤ — ہم نے دیکھا ہے تماشا تری رعنائی کا
دونوں عالم سے گزر کر بھی زمانہ گزرا — کچھ ٹھکانا بھی ہے اس بادیہ پیمائی کا
خود ہی بیتاب تجلی ہے ازل سے کوئی — دیکھنے کے لیے پردہ ہے تمنائی کا
لگ گئی بھیڑ یہ دیوانہ جدھر سے گزرا — ایک عالم کو ہے سودا ترے سودائی کا

پھر اُسی کافرِ بے مہر کے در پر فانی
لے چلا شوق مجھے ناصیہ فرسائی کا

(۸۹)

مزاجِ دہر میں اُن کا اشارہ پائے جا — جو ہو سکے تو بہر حال مسکرائے جا
بہارِ صد چمنستانِ آرزو بن کر — مرے خیال کی رنگینیوں میں آئے جا
خرد نواز نگاہوں کی آڑ میں رہ کر — فضائے عالمِ دیوانگی پہ چھائے جا
پلائے جا کہ ابھی ہوش بے خودی ہے مجھے — پلائے جا مجھے ساقی ابھی پلائے جا
دل و جگر پہ گزر جائے گی جو گزرے گی — تری نظر سے جو فتنے اٹھیں اٹھائے جا
ذرا ٹھہر کہ اب انجامِ سوزِ غم ہے قریب — چراغِ زیست بھڑکنے کو ہے بجھائے جا

سکوتِ میتِ فانی ہے اک فسانۂ شوق
لبِ خموش سے ہر مدعا کو پائے جا

(۹۰)

ہوشِ ہستی سے تو بیگانہ بنایا ہوتا — کاش تو نے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

دل میں اک شمع سی جلتی نظر آتی ہے مجھے   آ کے اس شمع کو پروانہ بنایا ہوتا
تیرے سجدوں میں نہیں شانِ محبت زاہد   سر کو خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا
دل تری یاد سے آباد ہے اب تک ورنہ   غم نے کب کا اسے ویرانہ بنایا ہوتا

درد دے کر دلِ فانی کو مٹا دینا تھا
اس حقیقت کو بھی افسانہ بنایا ہوتا

(۹۱)

دل کو مٹا کر روح کو تن سے حکم نہ دے آزادی کا
کوئی تماشا دیکھنے والا چاہیے اس بربادی کا
یوں ترے غم نے دل میں جگہ کی گویا دے دی غم سے نجات
دید کے قابل منظر ہے اس آمدِ غم کی شادی کا
ظلم سے توبہ تم نہ کرو گے آہ سے کیوں باز آئیں ہم
تم نہ سہی فریادی کے اللہ تو ہے فریادی کا
یاد ہے وہ نومیدی میں ہلکی سی جھلک امیدوں کی
ہائے وہ دل کے ویرانے پر دھوکا سا آبادی کا
فانی جب دل پاس نہ ہو تو لطف تماشا کچھ بھی نہیں
حال کسی سے کیا کہیے کشمیر کی دلکش وادی کا

(۹۲)

جذبِ محبت بھی کیا شے ہے اُن کا چاہا ہو نہ سکا
وہ مرے دل سے کیا چھپتے آنکھوں سے بھی پردا ہو نہ سکا
عزت رسوائی ابھی کہیں تدبیر سے حاصل ہوتی ہے
حیف ہے اس کی قسمت پر جو عشق میں رسوا ہو نہ سکا

یاس و امید سے کام نہ نکلا دل کی تمنا دل میں رہی
ترکِ تمنا کر نہ سکے اظہارِ تمنا ہو نہ سکا
جس سے دل میں زخم پڑے تھے پھر وہ نظر مرہم نہ ہوئی
تم نے جسے اچھا نہ کیا پھر تم سے بھی اچھا ہو نہ سکا
جس کی چمک ذرّوں میں نہیں وہ مہر عالم تاب نہیں
جو نہ سمایا قطرے میں وہ دریا دریا ہو نہ سکا
جان دم رخصت ہی نہ دی تو فانیؔ تجھ سے کیا اُمید
ہجر کی پہلی فرصت میں بھی تجھ سے اتنا ہو نہ سکا

(۹۳)

شکوہ سمجھو نہ کم نگاہی کا — حال دیکھو مری تباہی کا
دے غمِ عشق دل کو غم سے پناہ — واسطہ اپنی بے پناہی کا
دوسرا نام ہے شبِ فرقت — میری تقدیر کی سیاہی کا
بخش دے جبر کل کے صدقے میں — ہر گنہ میری بے گناہی کا
آپ کا نام لینے والوں کو — فقر کا ہوش ہے نہ شاہی کا
فطرتِ اختیار حشر کے دن — آسرا ہے تری گواہی کا
کیا کہوں جی رہا ہوں کیوں فانیؔ
مقتضا حکمتِ الٰہی کا

(۹۴)

جذب دل جب بروئے کار آیا — ہر نفس سے پیام یار آیا
موت کا انتظار تھا آئی — جائیے اب مجھے قرار آیا
جب کسی نے لیا تمھارا نام — گریہ بے قصد و اختیار آیا

بے قراری میں اب یہ ہوش نہیں	کس کے در پر تجھے پکار آیا
فرشِ گل پھر بچھا رہی ہے نسیم	آیئے موسمِ بہار آیا
آج ہم پی سکے نہ وہ آنسو	اُن کے آگے جو بار بار آیا
خیر تو ہے کہ آپ کے در سے
آج فانیؔ امیدوار آیا

(۹۵)

دل کیا غمِ دنیا کیا اس دردِ محبت نے	ایک ایک حقیقت کو افسانہ بنا ڈالا
ہر پھول کی نکہت میں کیفیت مے بھر کر	ساقی نے گلستاں کو میخانہ بنا ڈالا
وہ شمع ہے تو جس نے اس آئینہ خانے میں
اپنی ہی تجلّی کو پروانہ بنا ڈالا

(۹۶)

کیوں نہ سب پہ ہو جاتا حالِ دل عیاں اپنا
ہر سکوت بے جا کی تہہ میں تھا بیاں اپنا
دل سے کچھ امیدیں تھیں وہ بھی اب انھی کا ہے
کاش عشق میں ہوتا دل ہی رازداں اپنا
تیرے در سے اٹھ کر ہم جائیں تو کدھر جائیں
اب زمیں ہی اپنی ہے اور نہ آسماں اپنا
فصلِ گل جو یاد آئی۔ آشیاں بھی یاد آیا
فصلِ گل میں اجڑا تھا شاید آشیاں اپنا
تھا حریمِ ناز ان کا دل کی آخری منزل
ہم نے ان کو ڈھونڈھا تھا مل گیا نشاں اپنا

بجلیوں سے غربت میں کچھ بھرم تو باقی ہے
جل گیا مکاں۔ یعنی تھا کوئی مکاں اپنا
زندگی کب اپنی ہے۔ موت کس کے بس کی ہے
ہجر میں منا لیتے کس کو مہرباں اپنا
نقش سجدہ گھبرا کر کیوں مٹائے دیتے ہو
اس میں کیا نظر آیا سنگ آستاں اپنا
اس نے دل کی حالت کا کیا اثر لیا ہوگا
دل نے کیا کہا ہوگا۔ دل ہے بے زباں اپنا
پھر بھی نارسا ٹھہرا۔ اور کیا رسا ہوتا
عرش سے پرے پہنچا شور الاماں اپنا
گھر ہے اب قفس فانیؔ۔ گھر کبھی چمن بھی تھا
ہاں کبھی وطن بھی تھا۔ اب وطن کہاں اپنا

(۹۷)

یہاں اب ایک دل بھی درد کے قابل نہیں ملتا
لہو بن کر جو آنکھوں سے بہے وہ دل نہیں ملتا
محبت میں کبھی نومیدیٔ کامل نہیں ہوتی
صلہ دل کو بقدر سعیٔ لا حاصل نہیں ملتا
اِدھر سے کیا اُدھر کے جانے والے سر کے بل گزرے
کہ اک نقش قدم بھی ہادیٔ منزل نہیں ملتا
زمانے نے مگر آئین مظلومی بدل ڈالا
کہ اب قاتل تو ملتے ہیں کوئی بسمل نہیں ملتا
وہ میرے سامنے تھے اور مجھے دیکھے نہیں بنتی
کہیں ڈھونڈے بھی اب وہ لمحۂ مشکل نہیں ملتا

یہ دریائے محبت سر بسر گرداب ہے شاید
کہ اس دریا کی موجوں کو کہیں ساحل نہیں ملتا
محبت کا کچھ ایسا قحط ہے فانیؔ زمانے میں
کہ اب جس پر نظر پڑتی ہے اس سے دل نہیں ملتا

لہ بحوالہ فانی بدایونی — شخصیت اور شاعری بحوالہ شاعر نومبر ۱۹۴۰ء

ردیف (ب)

۹۸

جلوۂ رخ آفتابِ حشر سے کچھ کم نہیں
شورِ محشر ہے تری اٹھتی جوانی کا جواب

جان دیتے ہیں تمھیں بدلے نگاہِ لطف کے
اور کیا ہو آپ کی اس مہربانی کا جواب

کہتے ہیں عرضِ تمنا عمر بھر کرتے رہو
کچھ نہیں ملنے کا تم کو اس کہانی کا جواب

۹۹

پھر دل بے تاب ہے آرام جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہہ کر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سر تا پا قرار
وہ ستم پرور ہے اب تک بدگمانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب

اشک اک اک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیوں کر داستانِ اضطراب

اضطرابِ دل کے شکووں نے کیا الٹا اثر
بے نیازِ نطق ہے گویا زبانِ اضطراب

رازِ ضبطِ غم الٰہی کس نے افشا کر دیا ہے عیاں میری خوشی پر گمانِ اضطراب

سینۂ فانی ہے یا جولاں گہہِ برقِ فنا
دل ہے یا رب یا بلائے آسمانِ اضطراب

(۱۰۰)

عشق ہے پرتوِ حسن مجبور آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب
طلبِ محض ہے سارا عالم کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب

قلب، ادراک، دماغ اور حواس
مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

ردیف (پ)

(۱۰۱)

یہ عکس زلف سے ہے ساغرِ شراب میں سانپ
کہ آفتاب قمر میں ہے، آفتاب میں سانپ

دکھا کے زلفِ سیہ فام آئینہ میں انھیں
یہ کہہ کے ہم نے اتارا کہ ہے نقاب میں سانپ

نہ کیوں تصورِ گیسوئے یار ہو دل میں
بنا ہی لیتے ہیں گھر خانۂ خراب میں سانپ

ردیف (ت)

۱۰۲

جنس دل ہو، مشتریٔ دل بہت
سر سلامت چاہیے قاتل بہت

منحصر ہے آپ کی 'ہاں' پر وصال
آپ کو آساں، مجھے مشکل بہت

فانی جاں باز سا کوئی نہیں
گرچہ قاتل ہیں ترے بسمل بہت

۱۰۳

پھر فریبِ سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست

مانگتا ہوں تابِ خنجر سے سوا خنجر کی خیر
کچھ گراں جانی مری کچھ قوتِ بازوئے دوست

اب مجھی کو طولِ شامِ ہجر کا شکوہ بھی ہے
خود ہی چھیڑی تھی حدیثِ طرۂ گیسوئے دوست

آسماں کا شکر واجب ہے گلہ جائز نہیں
آسماں سے ملتی جلتی ہے جہاں تک خوئے دوست

رنگ و بوئے دہر کا مفہوم یوں کچھ بھی نہیں سہی
میرے مسلک میں ہے فانی رنگِ دل ہا بوئے دوست

(۱۴۴)

ہو کاش وفا وعدۂ فردائے قیامت
آئے گی مگر دیکھیے کب آئے قیامت

سنتا ہوں کہ ہنگامۂ دیدار بھی ہو گا
ایک اور قیامت ہے یہ بالائے قیامت

ہم دل کو ان الفاظ سے کرتے ہیں مخاطب
اے جلوہ گر انجمن آرائے قیامت

اللہ بچائے غمِ فرقت وہ بلا ہے
منکر کی نگاہوں پہ بھی چھا جائے قیامت

فانیؔ یہ مگر راہِ محبت کی زمیں ہے
ہر ذرّے میں ہے وسعتِ صحرائے قیامت

ردیف (ٹ)

(۱۰۵)

آنکھ اٹھائی ہی تھی کہ کھائی چوٹ
بچ گئی آنکھ۔ دل پہ آئی چوٹ

دردِ دل کی، انھیں خبر کیا ہو
جانتا کون ہے، پرائی چوٹ

آئی تنہا، نہ خانۂ دل میں
درد کو اپنے ساتھ لائی چوٹ

تیغ تھی ہاتھ میں نہ خنجر تھا
اس نے کیا جانے کیا لگائی چوٹ

یوں نہ قاتل کو جب یقیں آیا
ہم نے، دل کھول کر دکھائی چوٹ

اور کیا کرتے ہم بلاکشِ غم
جو پڑی دل پہ وہ اٹھائی چوٹ

کہیں چھپتی بھی ہے، لگی دل کی
لاکھ فانی نے گو چھپائی چوٹ

ردیف (د)

(۱۰۶)

فغاں کے پردے میں سن میری داستاں صیاد
کہ پھر رہے نہ رہے طاقتِ بیاں صیاد

ترا اشارہ ترا ساز برق سے نہ سہی
تجھے خبر ہے کہ جلتا ہے آشیاں صیاد

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں
بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد

بس ایک آہ جہاں سوز کے اثر تک ہیں
یہ خار، برق، قفس، دام، آسماں صیاد

نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد

ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں ہوں میں
قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد

چمن میں دل ہے تو میری نگاہ میں ہے چمن
چمن سے تو مجھے لے جائے گا کہاں صیاد

یہ جذبِ شوقِ اسیری ہے ورنہ اے فانیؔ
کہاں میں سوختہ دل مشتِ پر کہاں صیاد

(۱۰۷)

کیا کہیے کہ بیداد ہے تیری بیداد
طوفانِ محبت کی ہے زد میں فریاد

دل محشرِ بے خودی ہے اللہ اللہ
یاد اور کسی بھول جانے والے کی یاد

پابندیٔ رسم برطرف کیوں اے موت ان کے بھی کیے ہیں تو نے قیدی آزاد
اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی آندھی ہی سے کیوں ہو آشیانہ برباد
دنیا جسے کہتا ہے زمانہ فانیؔ
ہے ایک طلسم اجتماعِ اضداد

(۱۰۸)

آخر کوئی امید اثر بھی دعا کے بعد کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد
کیا جانئے کیا بلا ہے وہ اندازِ التفات دنیا بدل گئی نگہِ آشنا کے بعد
فکرِ وفائے عہد تمھاری بلا کرے جیتا ہے کون وعدۂ صبر آزما کے بعد
لنگر کا آسرا ہے نہ تائیدِ ناخدا میرے سپرد ہے مری کشتی خدا کے بعد
اللہ رے اعتمادِ نوازش کہ ہے مجھے امید لطف ہر ستمِ ناروا کے بعد
شکوہ ہے اپنے کشتۂ بیداد سے انھیں دیکھا نہ انتظارِ تلافی جفا کے بعد
فانیؔ اسی خلش سے عبارت ہے یادِ دوست
جو انتہا کی زد میں نہ ہو ابتدا کے بعد

(۱۰۹)

نہ رہی گلشنِ الفت میں صبا میرے بعد بلبلوں میں نہ رہا پاسِ وفا میرے بعد
دلِ صد چاک کا شانہ نہ ملا میرے بعد کیا پریشان رہی زلفِ دوتا میرے بعد
دمِ آخر دلِ خوں گشتہ کو ہے فکر یہی کون تلووں میں لگائے گا حنا میرے بعد
حسرتیں دل کی مٹا لو کہ نہ پاؤ گے کوئی ہنسنے والا ستموں پر بخدا میرے بعد
کر چکے دفن تو پھر رنج کیسے تھا شوکتؔ
خوش خوش آئے مرے گھر اہلِ عزا میرے بعد

ردیف (ر)

(۱۱۰)

موردِ کفر بنا، مظہرِ ایماں ہو کر
دل مرا لوٹ ہے کافرِ پئے مسلماں ہو کر

صبر و ہوش و خرد و تاب کا شکوہ کیا ہے
تم ہی جب چھوڑ گئے مجھ کو، مری جاں ہو کر

کچھ بھی تاثیر ہے الفت میں، تو انشاء اللہ
منھ سے ظالم ترے نکلے گی "نہیں" "ہاں ہو کر

(۱۱۱)

دلا یا عمر بھر خونِ جگر، اک اک مصیبت پر
مٹا کر دم لیا پتھر پڑیں، دردِ محبت پر

کہیں عبرت برستی ہے، کہیں حسرت برستی ہے
خدا کی رحمتیں نازل ہیں کیا کیا، دشتِ وحشت پر

حقیقت اور فتنوں کی ہے کیا تیرے مقابل میں
قیامت کو ہوا اپنا سا دھوکا، تیرے قامت پر

مرے بے چین دل کو، صبر آجائے تو میں جانوں
کہ اے ناصح، نہیں رہتا زمانہ ایک حالت پر
جنازے پر ترے کشتے کے ظالم، کتنا مجمع تھا
کہ شوق دید میں، حسرت گری پڑتی تھی حسرت پر

(۱۱۲)

کرنہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
درد بن کر دل بے درد میں گھر پیدا کر
میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر
ورنہ یارب شب فرقت کی سحر پیدا کر
نہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کے دیکھ
قطرے قطرے میں سمندر ہے نظر پیدا کر
جتنے غم چاہے دیے جا مجھے یارب لیکن
ہر نئے غم کے لیے تازہ جگر پیدا کر
یا اسے کر کسی بجلی کے حوالے یارب
یا مرے نخل تمنا میں ثمر پیدا کر

(۱۱۳)

حیراں ہوں رنگ عالم تصویر دیکھ کر
کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر
قسمت کے حرف سجدۂ در سے مٹا تو دوں
دل کانپتا ہے شوخیٔ تدبیر دیکھ کر
ہے ہے وہ اہل ذوق کی زنداں نوازیاں
سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر
وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں
کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر
فانیؔ وداع ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداع روح میں تاخیر دیکھ کر

(۱۱۴)

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر
انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر
عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

نامراد رہنے تک نا مراد جیتے ہیں
سانس بن گیا اک ایک نالہ نارسا ہو کر

اب ہوئی زمانہ میں شیوۂ وفا کی قدر
عالم آشنا ہے وہ دشمنِ وفا ہو کر

اور بندے ہیں جن کو دعوائے خدائی ہے
تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر

بندۂ خدائی ہے مدعیٔ خدائی کا
بندے نے خدائی کی بندۂ خدا ہو کر

عمرِ خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں
زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

کارگاہ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب
داغِ دل پہ کیا گزری نقش مدعا ہو کر

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی
خاک میں ملا دو گے دیر آشنا ہو کر

کی قضائے مبرم نے زندگی کی غم خواری
درد کی دوا پہنچی درد بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانیؔ اس سے کیا حاصل
موت کو منا لو گے جان سے خفا ہو کر

(۱۱۵)

دل مایوس کو اے عہد کرم شاد نہ کر
ناز پر وردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

اے تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر

روحِ اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے
تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر

غمِ ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دل کہ بستی ہے تری غیر سے آباد نہ کر

خامشی عین فغاں ہونے نہ پائے اے دل
اور جو فریاد ہی کرنا ہے تو فریاد نہ کر

صبر شایانِ محبت تو نہیں ہے لیکن
شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر

دل کی حد سے اثرِ زیست نہ گزرے فانیؔ
ہوش لازم ہے مگر ہوش کو آزاد نہ کر

۱۱۶

خدا کی رحمتیں نازل ہوں عشقِ فتنہ ساماں پر
یہ دردِ بے دوا احسان ہے تقدیرِ درماں پر

ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک
شباب آتے ہی ہر آفت گزر جاتی ہے انساں پر

غمِ امید کے صدقے وہ اضمحلال رنگیں ہوں
بہار آنے سے کچھ پہلے جو چھا جائے گلستاں پر

ٹھہر اے نشترِ درماں ٹھہر یہ ماجرا کیا ہے
مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہے رگِ جاں پر

یہ محشر ہے یہاں جو چاک ہے رحمت بداماں ہے
وہ دنیا تھی جو ہنستی ہی رہی ہر چاکِ داماں پر

متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں
سو وہ اک اک گھڑی بھاری ہے اب بیمارِ ہجراں پر

مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہے فانی
گریباں ہے مگر وحشت برستی ہے گریباں پر

۱۱۷

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کیے بغیر
بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر

دل کامیابِ شوق ہے بے منتِ نگاہ
جلوے ہیں دل فریب تماشا کیے بغیر

اللہ رے اعتمادِ محبت کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کیے بغیر

وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جائے نذرِ دوست
دل ہی نہیں ہے اس کی تمنا کیے بغیر

ممکن نہیں ہے راحتِ دنیا کی آرزو
غم پر گمانِ راحتِ دنیا کیے بغیر

اس ضبط و احتیاط پہ رسوا ہے رازِ عشق
پردے میں حسنِ دوست ہے پردا کیے بغیر

لازم سی ہے حیات کہ فانی مفر نہیں
جینے کی تلخیوں کو گوارا کیے بغیر

۱۱۸

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر
جی لرز جاتا ہے ان غنچوں کو خنداں دیکھ کر

ہمرہِ آخر ہوش ہی وحشت بھی تھا حیرت بھی تھا
دل کو عالم آفریں صحرا بداماں دیکھ کر

شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاک دل
روح غم کو پیکر خاکی میں انساں دیکھ کر

ہر تسلی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ
درد کچھ سے کچھ ہوا سامانِ درماں دیکھ کر

اس کو انعام خودی اور اس پہ لطف بیخودی
وہ کرم کرتے ہیں ظرفِ اہلِ عرفاں دیکھ کر

معنی صورت میں ہم نے تیری صورت دیکھ لی
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر

قبر فانی پر ہیں وہ برچیدہ دامن اے نسیم
منتشر کر خاک لیکن ان کا داماں دیکھ کر

۱۱۹

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید میں درخورِ نگہِ گرم بھی نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے مرے آشیاں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترسِ امتحاں سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا
جو حال تھا زباں سے قریب اور بیاں سے دور

ہے منعِ راہِ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانی دکن میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

۱۲۰

نہ چاہا حسن کی فطرت نے کوئی داغ دامن پر
رہا محشر میں اپنا خون ناحق اپنی گردن پر

قیامت کی کشش رکھتے ہیں دانے میرے خرمن کے
کہیں کی بجلیاں ہوں آکے چھا جاتی ہیں خرمن پر

محبت میں ہمیں جی کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو مری آنکھوں میں ہیں تو دو آنسو ہیں دامن پر

بنایا تھا نشیمن شاخ گل پر کس گھڑی یا رب
بجھی جاتی ہے ہر برق بلا شاخ نشیمن پر

مجھے کھینچے لیے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احسانِ رہبر ہے نہ کچھ الزامِ رہزن پر
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر
ہنسی آتی ہے تیری سادگیٔ شوق پر فانیؔ
وہ میت ہی پہ کب آئے جواب آئیں گے مدفن پر

(۱۲۱)

وہ خواب فریبِ جمال ہے جو نظر تھی جلوۂ یار پر
مجھے اب بہار سے کیا غرض کہ مری خزاں ہے بہار پر
مرے ذوقِ دید کو بجلیاں ہی نصیب ہیں تو یہی سہی
یہ گناہ ہے تو اٹھا نہ رکھ یہ گناہ روزِ شمار پر
یہ نوید گردشِ جام کیا یہ صلائے عیشِ مدام کیا
کہ ہزار لطف کی صحبتیں ہیں نثار اک غمِ یار پر
مرے آشیاں پہ عجب نہیں کبھی برق قصدِ کرم کرے
مگر آہ درخورِ پیش کش نہ وہ مشتِ خس نہ یہ چار پر
وہ مزارِ فانیؔ مبتلا کا نشاں مٹانے کو آئیں گے
یہ وعید وعدے سے کم نہیں کہ وہ آئیں گے تو مزار پر

(۱۲۲)

ہجر میں مسکرائے جا، دل میں اسے تلاش کر
نازِ ستم اٹھائے جا، رازِ ستم نہ فاش کر
شیوۂ عاشقی ہے یہ، حاصلِ زندگی ہے یہ
آہ جگر گداز کھینچ، نالۂ دل خراش کر

درد دیا، کرم کیا، اب اسے لا دوا بنا
شیشۂ دل عطا کیا، اب اسے پاش پاش کر
سہل نہیں ہے مسئلہ قربِ حریم ناز کا
دل کو غم آشنا بنا، خوگر دور باش کر
فانی اب انتہا ہوئی، نزع میں ضبط عشق کیوں
اب تو کسی کا نام لے، اب تو یہ راز فاش کر

(۱۲۳)

کوچۂ جاناں میں جا نکلے جو غلماں بھول کر
یاد ہوا اس کو نہ پھر گلزارِ رضواں بھول کر
سنگ دل بے مہر۔ بے دیں۔ بے وفا سمجھے نہ ہم
کر دیے صدقے حسینوں پر دل و جاں بھول کر
بوسۂ ابرو کو لے کر منھ پہ کھائی ہم نے تیغ
کچھ کیا تم نے نہ پاسِ تیغ عریاں بھول کر
کر کے توبہ قول ہے اب حضرتِ دل کا یہی
اب کبھی لیں گے نہ نام عشقِ خوباں بھول کر
خوں دلایا عمر بھر شوکت فراق یار نے
مرتے مرتے بھی نہ نکلا کوئی ارماں بھول کر

ردیف (ز)

(۱۲۴)

کون اٹھائے مری وفا کے ناز — دل ستم دوست وہ رقیب نواز
اب نے سر سے چھیڑ پردۂ ساز — میں ہی تھا ایک دُکھ بھری آواز
کھل گیا میری زندگی کا راز — اے شبِ ہجر تری عمر دراز
صور و منصور و طور ارے توبہ — ایک ہے تیری بات کا انداز
دیکھیے کیا ہو عشق کا انجام — دل کی ہستی ہے موت کا آغاز
رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت — ہو گئی صرفِ ہمتِ پرواز

آج روزِ وصالِ فانؔی ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز

(۱۲۵)

دور لے جا ہٹا کے مرحلِ ناز — دل ہے آوارہ حدودِ نیاز
ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم — میری ہستی ہے غیب کی آواز
ہوں اسیرِ فریبِ آزادی — پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز
آج اچھے نہیں الٰہی خیر — درد کے تیور آہ کے انداز
کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں — ایک دم رہ گیا ہے اب دمساز

ہے کوئی شے تو یارو جلوۂ یار — یہ حقیقت ہے اور یہ اصل مجاز
ہاں یہاں کوئی شے نہیں باطل — عشق ہے راز عقل پردۂ راز
اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال — ہم ہیں مجبورِ آہِ صبر گداز

جان فانیؔ ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیاتِ مرگ نواز

(۱۲۶)

اللہ اللہ یہ شان کشتۂ ناز — ہے مری خاک سجدہ گاہ نماز
ہاں شب ہجر آج صبح نہ ہو — ہاں چلی جائے یاد زلف دراز
دھیان تیرا بہشت شوق سہی — دل عاشق ہے ایک دوزخ راز
چشم حاسد مجھے نہ دیکھ سکی — ہوں دلیل بلندئ پرواز
آج پہلو میں کیوں ہے سناٹا — کیا ہوئی آہ آہ کی آواز
راس آتے ہیں اشک و آہ کسے — کر نہ آب و ہوائے غم سے ساز
آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہے — تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز
ہم ہیں اور عزم آشیاں یعنی — رہ گئی دور طاقت پرواز

ہے کہ فانیؔ نہیں ہے کیا کہیے
راز ہے بے نیاز محرم راز

ردیف (ش)

١٢٧

دل محوِ اکرِ نگاہ ہے خاموش
ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش

مست کو چاہیے بلا کا ہوش
خم دیے اور دیا نہ اذنِ خروش

ہر مسافر سے پوچھ لیتا ہوں
خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش

ہوسِ جلوہ اور نظر غافل
کہ نظر ہے صلائے جلوہ فروش

شاید اب منزلِ عدم ہے قریب
یادِ خاکِ وطن ہے طوفاں جوش

فضل تیرا شفیعِ طاعت و زہد
عدل عاصی نواز و عصیاں پوش

ہجر نے کی مفارقت فانیؔ
لے مبارک ہو موت کا آغوش

١٢٨

میں ہوں اک مرکزِ ہنگامۂ ہوش و رمِ ہوش
دل اگر عالمِ مستی ہے تو سر عالمِ ہوش

عدمِ ہوش پہ ہے فطرتِ ہستی مائل
کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش

بیخودی مایۂ عرفانِ خودی ہے یعنی
محرمِ جلوۂ اسرار ہے نامحرمِ ہوش

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالمِ مستی وہ ترا عالمِ ہوش

مظہرِ ہستی و خلاقِ عدم ہے مری ذات
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہمِ ہوش

عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانیؔ ہمہ تن ماتمِ ہوش

(۱۲۹)

برہم ہے میری ذات سے سارا نظام عیش ٹوٹا ہے میرے عہد میں نیرنگ نام عیش

اب احتیاج شکوۂ اختر نہیں مجھے مینائے خون عیش سے بھرتا ہوں جام عیش

گلشن صلائے عام اسیری ہے سربسر

پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دام عیش

ردیف (ص)

(۱۴۰)

آپ قاتل بھی ہیں ، مسیحا بھی کس کو یہ مرتبہ ملا ہے خاص
جب ملیں گالیاں، دعائیں دیں کچھ کہا خاص، کچھ سنا ہے خاص
درد اس پیارے نام کا فانی
کشتیٔ غم کا ناخدا ہے خاص

ردیف (غ)

لب منزلِ فغاں ہے نہ پہلو مکانِ داغ
دل رہ گیا ہے نام کو باقی نشانِ داغ

اے عشق خاک دل پہ ذرا مشقِ فتنہ کر
پیدا اگر اس زمیں سے کوئی آسمانِ داغ

دل کچھ نہ تھا تمھاری نظر نے بنا دیا
دنیائے درد- عالمِ حسرت، جہانِ داغ

پہلے اجل کو رخصتِ تلقینِ صبر دے
پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
یہ حشر ہے یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ

ہم سادہ دل ہیں خوش کہ ہوئی نذرِ دل قبول
اس بدگماں کو مدِّ نظر امتحانِ داغ

سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ

فانیؔ زمینِ گورِ غریباں ہے لالہ زار
پھر فصلِ گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

ردیف (ق)

اہلِ نظر کی آنکھوں میں، کیوں ہو نہ جائے عشق
بہتر ہے کحل طور سے بھی، خاک پائے عشق

میری نگاہِ شوق نے پایا ہے یہ لقب
دربانِ آستانۂ دولت سرائے عشق

دیوانہ بن کے، چھوڑ دے سب سے یگانگی
نا آشنائے عقل ہو اور آشنائے عشق

میں تم سے کیا کہوں، نہ سنائے خدا، تمھیں
ہے ناشنیدنی، مری جاں، ماجرائے عشق

ردیف (ک)

(۱۲۳)

گذر گیا انتظار حد سے، یہ وعدۂ ناتمام کب تک
نہ مرنے دے گی مجھے ستم گر تری تمنائے خام کب تک

اجل! مرا اتنا کام کردے کہ کام میرا تمام کردے
رہے کوئی زندگی کے ہاتھوں، جہاں میں رسوائے عام کب تک

وہ آئے یا وعدے پر نہ آئے، بلا سے قسمت جو کچھ دکھا دے
مگر ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ آج ہوتی ہے شام کب تک

یہ بحث و تکرار چھوڑ دے، آ! یہ زہد کا عہد توڑ دے، آ!
رہے گی اے مدعی حرمت، شراب دنیا حرام کب تک

(۱۲۴)

منزل عشق ہے نمود وجود — ہم بھی ہیں تیری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم — زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے — کون جیتا ہے مہربانی تک

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا بات پہنچی تری جوانی تک

نیند تھی چشمِ ناز میں فانیؔ
ایک بے خواب کی کہانی تک

(۱۳۵)

اے دل یہ تری حوصلہ مندی کب تک اس بزم میں خدمت سپندی کب تک
منزل سے غرض راہ بلا سے کچھ ہو اندازۂ پستی و بلندی کب تک
ناکام میں جذبۂ خودی کو بھی کبھی یہ شیوۂ عجز و مستمندی کب تک
کب تک مری سمت بے نیازانہ نگاہ اے حسن یہ وضعِ خود پسندی کب تک

آخر یہ جنابِ عشق کی خدمت میں
فانیؔ شرفِ نیاز مندی کب تک

ردیف (گ)

(۱۳۶)

سیکھے دل کے چھینے کے ڈھنگ
نہ گئی دل کے ساتھ دل کی امنگ

دل ہے اور سحر سازئ ادراک
آنکھ ہے اور فریب گردش رنگ

تیغ قاتل تری دُہائی ہے
میری موت اور یہ دست بُرد درنگ

دین و دنیائے دیدہ و دل ہیں
بزم صد رنگ و جلوۂ بے رنگ

شمع ہوں بے نیاز ظلمت و نور
آئینہ ہوں بغیر صیقل و زنگ

میں ہوں عالم کو بے دلی کا پیام
خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ

راز نیرنگئ حقیقت ہوں
میں ہوں فانی حقیقت نیرنگ

(۱۳۷)

مایۂ ناز راز ہیں ہم لوگ
محرم راز ناز ہیں ہم لوگ

بزم دل میں دیا نہ عیش کو بار
صاحب امتیاز ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتی ہے برق طور کو داد
وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ

عقل عاجز ہے بے خبر ہے ہوش
چشم بد دُور راز ہیں ہم لوگ

حسرت امید سے مراد ہیں ہم
گلہائے دراز ہیں ہم لوگ

تیری ناز آفرینیاں ہیں گواہ
کہ سراپا نیاز ہیں ہم لوگ

حسن بے جلوہ کچھ سہی فانی
جلوۂ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ

ردیف (ل)

(۱۴۸)

ٹھکرا کے اڑا دے پھر ہر ذرۂ خاکِ دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل

مشکل ہو تو آساں ہو مشکل ہی نہیں شاید
آساں ہی نہیں ہوتی اللہ رے مری مشکل

اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یا رب
یوں میرے سر آنکھوں پر تمیزِ حق و باطل

اس کشتیٔ ہستی کو طوفان ہی مبارک تھا
گرداب حوادث کے آغوش میں تھا ساحل

ہر دل میں ترا جلوہ ہر لب پہ مرا چرچا
غم زینتِ صد خلوت غم رونقِ صد محفل

(۱۴۹)

مجھے عزیز ہے فرمانِ موت میں تعجیل
کہ موت کی یہ تمنا ہے، زندگی کی دلیل

نوید لطف ہے دل کی ہر آرزو کے لیے
تری نگاہ ہوئی، خونِ آرزو کی کفیل

ابھی سے شورِ قیامت جگا رہا ہے مجھے
ابھی ہوئی تھی کچھ آرام یک نفس کی سبیل

ترے خیال کو واجب کیا محبت نے
ترے خیال کی ممکن نہ تھی کوئی تشکیل

سراغِ منزل و تائیدِ راہ بر تو کجا
ملا نہ راہِ وفا میں، نشانِ فرسخ و میل
عجب نہیں تری رحمت کی حد نہ ہو کوئی
گناہگارِ ازل ہوں، مری سزا میں یہ ڈھیل
نگاہِ آخرِ فانی سے مختصر سن لو
زبانِ خلق پہ ہوگی، یہ داستانِ طویل

ردیف (م)

۱۴۰

خاک بسر تجھ سے صبا اور ہم — خوں شدہ دل، تجھ سے حنا اور ہم
وادیٔ مجنوں میں گذر کر کے دیکھ — خاک اڑاتے ہیں، صبا اور ہم
درخورِ انعامِ جفا اور رقیب — قابل تعزیر وفا اور ہم
گم شدگانِ رہِ غم کی مثال — قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم

عقدہ دل گو نہ کھلے یا کھلے
آج ہے وہ بندِ قبا اور ہم

۱۴۱

دل اور دل میں یاد کسی خوش خرام کی
سینے میں حشر لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم
اب چارہ سازیٔ دلِ بیمار کیا کریں
اے مرگ ناگہاں تجھے لائیں کہاں سے ہم
اللہ رکھے ہم کو سہارا ہے ضعف کا
بیٹھے تو پھر اٹھیں گے نہ اس آستاں سے ہم
کیا کیا دیے فریب، غم عشق یار نے
دل ہم سے بدگمان ہے اور رازداں سے ہم

۱۴۲

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے ہیں سن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم و برہم

گو بیٹھے بھی اٹھے بھی ہم محفل دشمن میں تری خاطر
بیٹھ گئے دل زار کی صورت اٹھے صورتِ دردِ جگر ہم

شکوۂ جورِ بتاں ہم کرتے ظاہر دردِ نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم

کوئی گھڑی اے بیخودی غم دم لینے دے سنبھلنے دے
آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم

دوست تسلی دینے آئے لے کے دوائیں چارہ گر آیا
لیجیے آئی زخم جگر پر اور اک تازہ آفت مرہم

ڈوب ہی جا اے کشتیٔ ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک
بحر تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہیں گے زیر و زبر ہم

گھڑیاں اپنی عمر کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گزاریں
آئے تھے فانی باغ جہاں میں گویا مثلِ نسیم سحر ہم

وادیٔ شوق میں وارفتۂ رفتار رہیں ہم — بیخودی کچھ تو بتا کس کے طلب گار رہیں ہم
ہاں ابھی بے خبر لذت آزار رہیں ہم — مژدہ اے مشق ستم تازہ گرفتار رہیں ہم
ہو غم ہستی جاوید گوارا کیوں کر — جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار رہیں ہم
میں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا — کاش اتنا ہی وہ کہہ دیں کہ جفاکار رہیں ہم
حسن حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی — تیری محفل میں ہیں گو نقش بدیوار رہیں ہم

یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش
غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار ہیں ہم

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

(۱۴۴)

زندگی کا ہے امتحاں انجام
حذر اے آہ الاماں انجام

تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ
ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام

حسن ہے جاوداں بے آغاز
عشق آغاز جاوداں انجام

طبعِ نازک پہ بار اک حرف
حال دل حرف داستاں انجام

اور جو مل جائے دل سے دل یارب
ایک دل کا ہے دو جہاں انجام

کم نہ تھی عمر اک نظر کے لیے
عشق تھا مرگ ناگہاں انجام

پوچھتے ہو نشان فانی کیا
وہ ہے اک قبرِ بے نشاں انجام

(۱۴۵)

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

دعا تو خیر دعا ہے امید خیر بھی ہے
یہ مدعا ہے تو انجام مدعا معلوم

ہوا نہ راز رضا فاش وہ تو یہ کہیے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نامعلوم

مری وفا کے سوا غایتِ جفا کیوں ہو
تری جفا کے سوا حاصل وفا معلوم

کچھ ان کے رحم پہ تھی یوں ہی زندگی موقوف
کہ ان کو راز محبت بھی ہو گیا معلوم

ترے خیال کے اسرار بیخودی میں کھلے
ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم

فریب امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ
سکون کشتی و توفیق ناخدا معلوم

خدا کی مار کہ دل کو یہی نہ تھا معلوم　　وہ التفات کہ تھا اس کی انتہا بھی ہے

یہ زندگی کی ہے روداد مختصر فانی
وجودِ درد مسلّم علاج نامعلوم

(۱۴۶)

رازِ ناکامیٔ وفا کی قسم　　دل جفا دوست ہے خدا کی قسم
جانتا ہوں حقیقت باطل　　ما سوا تو ہے ما سوا کی قسم
حسن مطلق بھی ہے حجاب ان کا　　اعتباراتِ برملا کی قسم
دل ہے اب التفات کے قابل　　بے کسی ہائے مدعا کی قسم
غم فرقت ہے ابتدا دل کی　　مالک علم ابتدا کی قسم
نور و ظلمت جدا نہیں ہوتے　　آپ کی چشم سرمہ سا کی قسم
عیش کشتی ہے راز ہر گرداب　　زور بازوئے ناخدا کی قسم
عشق رسوا مجھی کو تھا منظور　　سعی اظہار ماجرا کی قسم

میں ہوں فانی صحیفۂ باقی
حرف بے معنی فنا کی قسم

(۱۴۷)

مجھ پہ رکھتے ہیں حشر میں الزام　　آ نہ جائے زباں پہ تیرا نام
ضبط کی کوششیں بھی جاری ہیں　　درد بھی کر رہا ہے اپنا کام
جو عبارت نہ ہو ترے غم سے　　اہل دل پر وہ زندگی ہے حرام
وقفۂ موت بھی غنیمت ہے　　کچھ تو فی الجملہ مل گیا آرام
اس نے دیکھا ہے شام کا منظر　　جس نے دیکھی ہے بیکسوں کی شام
کس سے اب درد کی دوا چاہوں　　درد اٹھتا ہے لے کے تیرا نام
اب قیامت قریب ہے فانی　　فتنۂ عشق ہو چلا ہے تمام

ردیف (ن)

(۱۴۸)

آئینۂ جلوۂ معشوقِ ازل کا میں ہوں
عکس محبوب ہے دل محو تماشا میں ہوں

نگہ ناز کو ہے فخر کہ میں ہوں قاتل
لبِ جاں بخش کو دعویٰ کہ مسیحا میں ہوں

دل ربا دل بر و دل دار و دل آرا تم ہو
عاشق و والہ و دل دادہ و شیدا میں ہوں

سخت مضطر ہوں شب ہجر میں تنہائی سے
اے اجل تو ہی خبر لے کہ اکیلا میں ہوں

یاس کی شکل میں امید نظر آئے جیسے
سچ تو یہ ہے کہ وہ ناکامِ تمنا میں ہوں

شمع و پروانۂ بزم احدی ہوں فانی
عاشق و جلوۂ معشوق سراپا میں ہوں

(۱۴۹)

اتنا تو پوچھ لیجیے جانے سے پیشتر
حسرت تو اب نہیں دل امیدوار میں

منت پذیر ہمدمیٔ دوستاں نہیں
اپنا ہی میں انیس ہوں شب ہائے تار میں

قسمت ہوئی تھیں روز ازل جتنی شوخیاں
سب جمع ہو گئیں نگہ شرمسار میں

اللہ رے کثرت گل و ریحاں کہ ان دنوں
فردوس اک پھول ہے دست بہار میں

(۱۵۰)

بتایا راستہ عشقِ مجازی نے حقیقی کا — خدا کی شان رہزن بھی کبھی رہبر نکلتے ہیں
مری آنکھوں سے ہے زخمِ جگر کو ربطِ پنہانی — ترے پیکاں کے ریزے اشک میں اکثر نکلتے ہیں
الٰہی آگ لگ جائے زمانے کی دورنگی کو — جنھیں نازک بدن سمجھو وہی پتھر نکلتے ہیں

مبارک فانیِ بسمل کو تیرے ذبح کرنے کو
نئی چھریاں نکلتی ہیں، نئے خنجر نکلتے ہیں

(۱۵۱)

مجھ کو شکایتِ ستمِ ناروا نہیں — دل کی سزا یہی ہے تمھاری خطا نہیں
کہنا سوالِ وصل پہ کیا فرض تھا "نہیں" — آخر کوئی جواب "نہیں" کے سوا نہیں
عادت ہے التجا و دعا کی دگر نہ میں — کیا جانتا نہیں کہ وہ کافر خدا نہیں

دردِ فراق، زخمِ جگر، حسرتِ وصال
فانیِ غم نصیب کی قسمت میں کیا نہیں

(۱۵۲)

جانتا ہوں کہ مرا دل مرے پہلو میں نہیں — پھر کہاں ہے جو ترے حلقۂ گیسو میں نہیں
ایک تم ہو کہ تمھارے ہیں پرائے دل بھی — ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں
دور صیاد، چمن پاس، قفس سے باہر — ہائے وہ طاقتِ پرواز کہ بازو میں نہیں
دیکھتے ہیں تمھیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں — تم بھی قابو میں نہیں، موت بھی قابو میں نہیں

حیف جس کے لیے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانی وہی پہلو میں نہیں

(۱۵۳)

جس دل ربا سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں[1] — آخر اسی نے ہم کو آنکھیں دکھائیاں ہیں

پریاں ہیں فصلِ گل میں چلتی ہیں جو ہوائیں — پھولوں سے اپنی جیبیں بھر بھر کے لائیاں ہیں

ہے رات فصلِ گل کی اور رت ہے فصلِ گل کی — چن چن کے ہم نے کلیاں سجیں سجائیاں ہیں

یاں یاد بھی نہیں دل اس کی تلاش کیسی — کیوں دل چرا کے تم نے آنکھیں چرائیاں ہیں

شاید فسانۂ غم سچا سمجھ گئے تم — صدقے ان انکھڑیوں کے یہ کیوں بھر آئیاں ہیں

تیری ہی اے شبِ غم کچھ کم نہ تھی سیاہی — کیوں بدلیاں یہ کالی گھر گھر کے چھائیاں ہیں

لاکھوں جتن کیے ہیں مر مر کے ہم جئے ہیں — کیا کہیے کیسی کیسی کڑیاں اٹھائیاں ہیں

جوشِ جنوں میں اکثر دشمن سے ہم نے فانیؔ
جو دل پہ بیتیاں تھیں سب کہہ سنائیاں ہیں

(۱۵۴)

وحشتِ دل اب وہ اگلا سا ستانا چھوڑ دے
خاک اڑائی جس میں برسوں اب وہ صحرا ہی نہیں

ماجرائے دردِ دل کو بے اثر کیوں کر کہوں
بندہ پرور کوئی اس کا سننے والا ہی نہیں

ہجر کلیجہ میں نہ ہو دل میں نہ ہو وہ داغ کیا
ہو نہ جس میں داغ وہ دل وہ کلیجا ہی نہیں

عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب تک آئے کیا مجال
حسن یکتا وہ کسی نے جس کو دیکھا ہی نہیں

زندگی ہے نام لطفِ صحبتِ احباب کا
یہ نہیں فانیؔ تو جینا کوئی جینا ہی نہیں

---

[1] یہ غزل حسرت موہانی کی فرمائش پر ۱۹۰۲ء میں بمقام علی گڑھ لکھی گئی۔

۱۵۵

چراغِ کشتۂ آرام گاہِ بے نشانی ہوں — میں رویائے پریشانِ فنا ہوں یعنی فانی ہوں
خلوصِ ربطِ مرگ و عشق میں کچھ شک نہیں لیکن — عزیزِ خاطرِ نامہربانی، سخت جانی ہوں
دیارِ نامرادی میں مری اک عمر گذری ہے — ابھی ناواقفِ رسمِ جہانِ کامرانی ہوں

گئے وہ دن کہ میں امیدوارِ مرگ تھا فانی
اب اک مدت سے ماتم دارِ مرگِ ناگہانی ہوں

۱۵۶

خرابِ لذتِ دیدارِ یار ہم بھی ہیں — ترے شریکِ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں
نہ دن کو چپ ہیں نہ راتوں کو تیری طرح اداس — جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں
امیدِ مرگ ہے باقی تو ناامید نہیں — کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں
کسی کی بزمِ طرب میں کچھ ایک شمع نہیں — حریفِ گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں
ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر — کہ عہدِ شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں
یہاں بھی ہے دلِ آگاہ وقفِ لذتِ درد — خرابِ مستیٔ عیشِ خمار ہم بھی ہیں
زمینِ گورِ غریباں پہ اک جگہ نہ ٹھہر — یہیں کہیں نگہِ شرمسار ہم بھی ہیں
حجابِ ہوش اٹھا اب کوئی حجاب نہیں — خیالِ یار سے اب ہم کنار ہم بھی ہیں

جنوں نے دی ہمیں راحت وگرنہ اے فانی
نشانۂ المِ روزگار ہم بھی ہیں

۱۵۷

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں — ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل — تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں

رستے ہیں اب کے سال کہ بہتے ہیں دیکھیے — پھر فصل گل میں زخم دل آئے ہوئے تو ہیں[1]

ارماں جو یوں نہیں تو نکلتے ہیں کس طرح — یعنی ہمارے دل سے نکالے ہوئے تو ہیں[1]

ہاں دردِ عشق ان پر کرم کی نظر رہے — صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں

یہ صحبتیں بھی دیکھیے لاتی ہیں رنگ کیا — مہمان خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں

کیا جانیے کہ حشر ہو کیا صبح حشر کا — بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

فانیؔ ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

۱۵۸

فرقت میں تار اشک ہے ہر تار آستیں — ہر داغ خوں ہے دیدہ خوں بار آستیں

رکھ پنجۂ جنوں سے سروکار آستیں — کب تک رہیں گے ہاتھ گرانبار آستیں

کل تک جو ہاتھ چشم و چراغ جنوں رہا — ہے آج فرطِ ضعف سے آزار آستیں

انبار آنسوؤں کے ہیں خون جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکار آستیں

۱۵۹

مری آنکھوں سے بہنا چاہیے دل کا لہو برسوں — رہی ہے ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں

چھپے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی — ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں

نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈھا — تری دھن میں رہے سودائیانِ جستجو برسوں

نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بے حد نے — مری وحشت نے توڑا ہے طلسم رنگ و بو برسوں

---

[1] یہ دونوں شعر دیوان میں ہیں۔

تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہے
مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگ تو برسوں

ہماری بے کسی کی موت بدلا تھی اسیری کا
رہا طوق اسیری بھی گرفتار گلو برسوں

کیے جائیں گے دل کے خاتمے پر شکر کے سجدے
وفاؤں نے کیا ہے خون حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ امید باطل ہوں
رہا ہے چاک دل آزردۂ مشق رفو برسوں

تجھے اور حال دل سے یہ تجاہل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں

مری اک عمر فانیؔ نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

(۱۴۰)

اور نہ جانتا ہوں فریب نظر کو میں
دیکھوں الٹ کے پردۂ داغ جگر کو میں

ہر نقش پا کو دیکھ کے دھنتا ہوں سر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں تری رہ گزر کو میں

عہد خزاں میں رفتۂ آشوب ہوش ہوں
بھولا ہوا ہوں موسم دیوانہ گر کو میں

گم کردہ راہ ہوں قدم اولیں کے بعد
پھر راہبر مجھے نہ ملا راہبر کو میں

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

مایوس انتظار ہوں مجنون اضطراب
ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار در کو میں

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

دو تین ہچکیوں میں دم نزع کہہ گیا
شرح دراز زندگیٔ مختصر کو میں

فانیؔ دعائے مرگ کی فرصت نہیں مجھے
یعنی ابھی تو ڈھونڈھ رہا ہوں اثر کو میں

(۱۴۱)

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخم دل پیدا کریں یا زخم دل اچھا کریں

دل سے ہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشک ندامت آ تجھے دریا کریں

جسم آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی
موسم گل آگیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

جا بجا تغییر حال دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رسوا مگر اب ہم کسے رسوا کریں

ہاں نہیں شرط مروت حسرت تاثیر درد
رحم آ ہی جائے گا اُن سے تقاضا کیا کریں

شوق نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردا کریں

ظرف ویرانہ بقدر ہمت وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرہ میں پیدا وسعت صحرا کریں

مرگ بے ہنگام فانیؔ وجہ تسکین ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

(۱۶۲)

فصل خیر بڑھا گئی عمر کے باب راز میں
یاد وصال مختصر مل کے شب دراز میں

جلوۂ اختیار سے نسبت جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادئ برق ناز میں

بے اثری مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہ اثر گداز میں

ہم نہ ازل سے آج تک سجدے سے سر اٹھا سکے
چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کب کے حریم ناز میں

حشر میں حشر چاہیے حشر پہ حشر چاہیے
دفن ہیں سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز میں

چشم براہ یار ہوں منتظر فشار ہوں
سبزۂ رہ گزار ہوں عالم عرض ناز میں

چارہ تپ فراق کا شکر نہیں تو کچھ نہیں
بوئے مزاج یار ہے نبض بہانہ باز میں

عالم درد کا نظام آ کے ذرا اکھڑ نہ دو
عشق سے فرق آگیا حسن کے امتیاز میں

زہر ہے یاد وائے دل وہ ہیں کہ موت ہے قریب
رعشہ مری نظر میں ہے یا کف چارہ ساز میں

فانیؔ زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہو گئی عشق کے سوز و ساز میں

(۱۶۳)

زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

بے ادب گریۂ محرومیٔ دیدار نہیں　　ورنہ کچھ در کے سوا حاصل دیوار نہیں
آسماں بھی ترے کوچہ کی زمیں ہے لیکن　　وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں
ہائے دنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرہ کوئی بے کار نہیں

(۱۶۴)

جو تاب دل نوازیٔ درماں نہ لا سکے　　میں ہوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں
ہے عکس روئے دوست پہ اک پرتوِ مجاز　　میری نظر بھی کھنچ گئی تصویر یار میں
دعویٰ یہ ہے کہ دوریٔ معشوق ہے محال　　مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں
قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

(۱۶۵)

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کر لیں　　دل بے تاب کو بھی دیدۂ حیراں کر لیں
ہر نفس وقف خیال رخ جاناں کر لیں　　زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کر لیں
داد مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے
ٹھہرا ہے موت کہ قاتل کو پشیماں کر لیں

یہ دھن ہے تری یا دھیان ہے تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں

اچھا ہے اگر دو آگ کے دریا آنسو بن کر بہتے ہیں
آنکھوں میں تو رہ کر یہ فتنے طوفان اٹھائے رہتے ہیں
تو اور کہیں ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہے
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہے تو سہتے ہیں

(۱۶۷)

لطف وکرم کے پتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں
دل پہ خدا کی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں
جتنے منھ ہیں اتنی باتیں دل کا پتہ کیا خاک چلے
جس نے دل کی چوری کی ہے ایک اسی کا نام نہیں
جلوہ و دل میں فرق نہیں جلوے کو ہی اب دل کہتے ہیں
یعنی عشق کی ہستی کا آغاز تو ہے انجام نہیں
رُک کے جو سانسیں آئیں گئیں مانا کہ وہ آہیں تھیں لیکن
آپ نے تیور کیوں بدلے آہوں میں کسی کا نام نہیں
عشق کے آزاری بھی کہیں مرجانے سے جی جاتے ہیں
لے یہ تسلی رہنے دے اے موت یہ تیرا کام نہیں
کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے ذکر کی ساری راہیں بند
برسیں گذریں اس بستی میں رسمِ سلام و پیام نہیں
حد تھی یہ بے تابیٔ دل کی جانیے اب کیا ہونا ہے
صبر کی حد بھی ہونے آئی صبح نہیں یا شام نہیں
دل ہی پہ اپنا بس نہیں چلتا ان کی شکایت کیا کیجیے
آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں
دل سے کسی کی آنکھوں تک کچھ راز کی باتیں پہنچی ہیں
آنکھ سے دل تک آیا ہوا ایسا تو کوئی پیغام نہیں
نزع میں فانیؔ تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

۱۷۸

دل وقفِ تپش ہے ہائے مگر وجہِ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں

کس زعم میں ہے اے رہروِ غم دھوکے میں نہ آ تا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہے اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی کیوں میں نے کہا کیا نادم ہوں
وہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہے کیا کہیے کہ مشکل کوئی نہیں

بس ان پہ نہ ان کی یاد پہ ہے تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں

دریائے محبت بے ساحل اور ساحل ہے دریا بھی ہے
جو موج ڈبو دے ساحل ہے یوں نام کو ساحل کوئی نہیں

کر شیشہ و ساغر بادہ و ساقی گل اور شمع سے قطع نظر
محفل میں یہ رونق کس کی ہے جب صاحبِ محفل کوئی نہیں

خود حسن کمالِ حسن ہے یعنی حسنِ جہاں ہے کامل ہے
اور عشق مآلِ عشق ہے یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں

گو جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہے نظارہ میں شامل کوئی نہیں

ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرقِ مجاز و حقیقت کیا
یعنی حقیقت ہے وہ حقیقت ہستیٔ باطل کوئی نہیں

فانیؔ ہی وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مر جائے
کیا ہوش کی کافر دنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

(١٦٩)

چھائی ہوئی ہیں دل پر اسرار کی گھٹائیں رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں
رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمل کچھ میری زندگی سے لے لیجیے بلائیں
ہاں اے یقین وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں
دیکھوں سنا کرو گے بیگانہ وار کب تک تم میری حسرتوں کی خاموش التجائیں
انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہے گا بیداد گر یہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں
کہتے جو درد دل کو تم درد دل سمجھتے افسانہ کیا سنو گے افسانہ کیا سنائیں

وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانی
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

(١٧٠)

دل کی ہر لغزش مضطر پہ نظر رکھتے ہیں وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں
درد میں لطف خلش کیف کشش پاتا ہوں کیا وہ پھر عزم تماشائے جگر رکھتے ہیں
جس طرف دیکھ لیا پھونک دیا طور مجاز یہ ترے دیکھنے والے وہ نظر رکھتے ہیں
خود تغافل نے دیا مژدۂ بیداد مجھے اللہ اللہ مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں
بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں
ہے ترے در کے سوا کوئی ٹھکانا اپنا؟ کیا کہیں تیرے اجاڑے ہوئے گھر رکھتے ہیں

کوئی اس جبر تمنا کی بھی حد ہے فانی
ہم شب ہجر میں امید سحر رکھتے ہیں

(١٧١)

پہلوئے زوال ہوں معنیٔ کمال میں میں ہوں حد امتیاز جلوہ و جمال میں
بیخودی کدھر گیا وہ حجاب اضطراب کیا ہوا جو فرق تھا ہجر اور وصال میں

آدمی میں کچھ نہیں آپ نے سمو دیا — عالم غبار کو عالم خیال میں
ابتدائے زندگی انتہائے زندگی — آپ کے خیال سے آپ کے خیال میں
عرض ناز راز ہے کثرتِ مجاز کا — آئنے سے لگ گئے پرتوِ جمال میں
میرے ہر سوال پر وہ خموش ہی رہے — کیا مرا جواب تھا خود میرے سوال میں
فانی شکستہ دل تونے کردیے جدا
ورنہ ممکناتِ شوق جذب تھے محال میں

(۱۴۲)

شکرِ فریاد سے فارغ لبِ فریاد نہیں — اس تکلف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں
جی کچھ ہی میں لگا اور نہ قفس میں بہلا — نالہ بے قید نہیں زمزمہ آزاد نہیں
میری نظروں میں تو بے واسطۂ دید ہے تو — میں بہ عنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں
دل مشتاق ہے اور بے حسی شدتِ شوق — اب یہ گھر تیرے تصور سے بھی آباد نہیں
غم باندازہ غلط عیش باندازہ حرام — دے مجھے وہ دلِ آگاہ کہ ناشاد نہیں
تیرے ناکام کا ہوتا ہے کہیں کام تمام — نیش غم ہے یہ کوئی تیشۂ فرہاد نہیں
کون سمجھے اثرِ جلوۂ مستور کا راز — جو سنی جائے محبت کی وہ روداد نہیں
آشیاں پر کرم برق کی باری آئی — مژدہ اے ذوقِ بلا باغ میں صیاد نہیں
صرف عبرت ہے ہر افسانۂ ہستی فانی
حرف حسرت کے سوا عالمِ ایجاد نہیں

(۱۴۳)

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں — دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں
دل حریف زوال غم نہ ہوا — عشق کی بے کمالیاں نہ گئیں
موت بھی زندگی کی حد نہ رہی — غم کی بے اعتدالیاں نہ گئیں

میری شیوا نگاہیاں جائیں
تیری رسوا جمالیاں نہ گئیں
عشق بیگانۂ مجاز رہا
حسن کی بے مثالیاں نہ گئیں
ہوش میں لاکھ انقلاب آئے
عقل کی خستہ حالیاں نہ گئیں
موت بھی آہی جائے گی فانی
تیری محزوں خیالیاں نہ گئیں

(۱۷۴)

نم ہے ہر ذرۂ خورشید اثر کا دامن
کم ہے آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن
یہ مرے دستِ تظلم کی رسائی یہ نصیب
ہجر میں دامن دل حشر میں ان کا دامن
پست کر حوصلۂ ذوق تماشا کہ ہنوز
دور ہے وہم نظر سے وہ اچھوتا دامن

(۱۷۵)

زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں
دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں
ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں
تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں
وفا چاہتے ہیں وفا چاہتا ہوں
وہ کیا چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں
محبت کو رسوا کیا چاہتا ہوں
نظر محرم التجا چاہتا ہوں
تعین غمِ عشق کا چاہتا ہوں
انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
ترے دل کو درد آشنا چاہتا ہوں
بھلا چاہتا ہوں بُرا چاہتا ہوں
بہت تنگ ہے وہم ہستی کی دنیا
میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں
شبِ ہجر تیرا تصور ہی تو ہے
تجھے آج تجھ سے جدا چاہتا ہوں
مری موت ماتم کا حسنِ طلب ہے
سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں
خطا ڈھونڈھتا ہوں عطاؤں کے قابل
عطا چاہتے ہیں خطا چاہتا ہوں

پھر اس بزم کو ڈھونڈھتی ہیں نگاہیں
پھر اک شکوۂ برملا چاہتا ہوں

وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا
پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں

پھر آداب فرقت ہیں ملحوظ یعنی
ہجوم بلا در بلا چاہتا ہوں

پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے
تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں

پھر امیدوارِ کرم ہوں کہ فانی
ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں

کوئی وجہ تسکیں نہیں غم نہ راحت
خدا جانے فانی میں کیا چاہتا ہوں

۱۷۶

نہیں کہ دل کی روش میں کچھ انقلاب نہیں
اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں

نظر وہی ہے جو محروم صد تماشا ہو
وہ دل ہے جان تمنا جو کامیاب نہیں

غمِ حبیب پیامِ سکونِ موت سہی
مرے نصیب میں تسکین اضطراب نہیں

نگاہِ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں

مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندۂ حساب نہیں

بقدرِ حوصلہ ہے فرقِ انتظار و فراق
امید خواب نہ تھی آرزوئے خواب نہیں

بہ جان فانیٔ مرحوم اب وہ بات کہاں
تری گلی میں جو وہ خانماں خراب نہیں

۱۷۷

جز وہم یقین و عین یقین اس منزل آب و گِل میں نہیں
یہ عالم دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں

غم خانۂ دل کا کیا کہنا وہ کچھ بھی سہی یہ بات کہاں
خلوت میں یہاں جو جلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں

سُنتے تھے محبت آساں ہے واللہ بہت آساں ہے مگر
اس سہل میں جو دشواری ہے وہ مشکل سی مشکل میں نہیں

گو راحت و رنج میں فرق نہیں یہ فرقِ مراتب کیا کم ہے
جو سعی حصولِ عیش میں ہے وہ عیش غمِ حاصل میں نہیں

دل خاک ہوا ہر چند مگر پستی کی طرف جو مائل ہو
ایسا کوئی ذرّہ اے دنیا اس خاک فلک منزل میں نہیں

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل و دریا ایک ہوئے
پھر لطفِ امید و بیم کہاں دریا میں نہیں ساحل میں نہیں

اب کس سے جفا کا حال کہیں اب کس سے وفا کی داد ملے
بیداد نہیں غمّاز نہ ہو آوازِ شکست دل میں نہیں

جینے کی حدیں ملتی ہیں کہیں ایمائے اجل ہے آگے بڑھ
منزل کا نشاں ہے ہر منزل آرام کسی منزل میں نہیں

ہم بھی ہوں خیالِ یار بھی ہو اس فکر محال سے کیا حاصل
بس اب فانیؔ ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

(۱۷۸)

امید کرم کی ہے ادا میری خطا میں
اک بات نکلتی ہے مری لغزشِ پا میں

سمجھو تو غنیمت ہے مرا گریۂ خونیں
یہ رنگ ہے پھولوں میں نہ یہ بات حنا میں

جھک جاتے ہیں سجدے میں سر اور پھر نہیں اٹھتے
کیا سحر ہے کافر ترے نقش کفِ پا میں

وہ جانِ محبت ہیں وہ ایمان محبت
جو اُن کے اشارے ہیں محبت کی ادا میں

پاتا ہوں کچھ آثار تمنا ابھی فانیؔ
کھوئی ہوئی دنیا ہے مری دل کی فضا میں

۱۷۹

ان کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں
وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں

کچھ جفاؤں کی تلافی کچھ وفاؤں کا صلہ
وہ ادائیں صبر ہی صبر آزما کر رہ گئیں

آسماں سر پر اٹھا لینے کی ہمت اب کہاں
لب تک آئیں بھی اگر آہیں تو آ کر رہ گئیں

ثبت تھی اوراقِ کُن پر صرف میری سرگزشت
ہستیاں میری ہی افسانہ سنا کر رہ گئیں

اب مری بربادیوں کو حشر کا ہے انتظار
جس قدر فتنے میسر تھے اُٹھا کر رہ گئیں

۱۸۰

وہ ہی وہ ہیں مگر ظہور نہیں
اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں

کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہے عزیز
ان کی بیداد کا قصور نہیں

گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا
دل ہے بندہ نواز طور نہیں

تم پہ مرنا جنھیں نہیں آتا
زندگی کا انھیں شعور نہیں

ہم بھی اپنی وفا پہ ہیں مغرور
بات کی بات ہے غرور نہیں

ترک دنیا نہ ہو سکے تو نہ کر
غم دنیا مگر ضرور نہیں

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانیؔ
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

۱۸۱

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں
اپنے جلووں میں چھپے جاتے ہیں

ہر نصیحت سے ہے نرالی ناصح
ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں

وہ مرے قتل کا فرمان سہی — کچھ وہ ارشاد تو فرماتے ہیں

جور کو جور بھی اب کیا کہیے — خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں

دل سے فانی یہ اُلجھ پڑنا کیا

آپ دیوانے کے مُنھ آتے ہیں

۱۸۲

عقل کہتے ہیں جسے مقبول اہل دل نہیں — اس جنوں کو امتیاز عاشقی حاصل نہیں

ماورائے حدِّ ہر منزل ہے شاید کوئے دوست — ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں

گرم رو ہوں نقش پا بنتے گئے جلتے گئے — مسلک اپنا امتیاز جادہ و منزل نہیں

ہر لطافت کا تصور ماسوا آلود ہے — آئینہ دل کا تری تصویر کے قابل نہیں

بزم ارباب نظر ہے کب سے تیری منتظر — آکہ دل کا نام باقی رہ گیا ہے دل نہیں

وہ مسافر ہوں جو ہو ختم سفر سے بے نیاز — میری ہر منزل نشان راہ ہے منزل نہیں

بن نہیں پڑتی ہے تیری یاد سے تیری سی بات — ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہے دل نہیں

کیا کروں نازک بہت ہے ان کی مرضی کا سوال

ورنہ فانی اس جیے جانے سے کچھ حاصل نہیں

۱۸۳

رہبر ہو خضر کا جو رہِ ذوق و خبر میں — وہ نقشِ کفِ پا ہوں تری راہ گزر میں

کانٹوں میں بھی پھولوں کی ادا تھی ترے آگے — اب باغ میں جو پھول ہے کانٹا ہے جگر میں

ادراک ہے مظہر مری شوریدہ سری کا — سودا ہے بعنوان محبت میرے سر میں

اس عالم تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا — میری ہی نظر محو ہے میری ہی نظر میں

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم — تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

ہر اشک تری یاد کے جلووں سے ہے معمور — دنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں

فانی ہے مرے آہ و فغاں میں اثر اُلٹا — شاید مری تقدیر کی گردش ہے اثر میں

۱۸۴

ان کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں
شوخی ہے جو بہ سلسلۂ امتحاں نہیں

دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے
اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں

نامہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں

اب تک لگاوٹیں ہی سہی لاگ تو نہ تھی
یہ کیا ہوا کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں

شاید زمیں کوئے بتاں آسماں ہوئی
کہتے ہیں اب زمیں پہ کوئی آسماں نہیں

بربادِ صد بہار ہوں میری نگاہ میں
جو آشنائے برق نہیں آشیاں نہیں

ساری ہے دردِ دل مری رگ رگ میں چارہ ساز
کیا پوچھتا ہے درد کہاں ہے کہاں نہیں

کل تک زبانِ خلق پہ ہوگی وہ داستاں
اب تک مری زبان پہ جو داستاں نہیں

تیرا کرم کہ تو نے وہ دل کو عطا کیا
جو غم بقدرِ حوصلۂ آسماں نہیں

بجلی کہیں گری ہو مگر ہم قفس مجھے
ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں نہیں

فانی کوئی غم اور ابھی اٹھ رہا ہے کیا
دل پر ہنوز بارِ محبت گراں نہیں

۱۸۵

تسکین عجب چاہتا ہوں
دشمن کا نصیب چاہتا ہوں

تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو
کچھ اور قریب چاہتا ہوں

ہو محو جمال عالم افروز
عالم کو رقیب چاہتا ہوں

انجام بخیر ہو نظر کا
دیدار حبیب چاہتا ہوں

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے
فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

(۱۸۶)

جب کی ہے فکر تجزیۂ ہر مثال میں
گم ہوگئی ہے ان کی تجلی جمال میں

امکان معرفت کو سمو کر محال میں
وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں

ٹوٹا نہ ہم سے رشتۂ رسم حجاب عشق
چھوٹا نہ ہم سے ہجر کا دامن وصال میں

قدموں پہ گر کے کوئی خطاوار مر نہ جائے
ذوق آفرینیاں ہیں تمھارے ملال میں

ملتی نہیں تصور ہستی سے اب نجات
گھر سا گیا ہوں حلقۂ دام خیال میں

آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا
لانا پڑا انھیں کو تمھاری مثال میں

اپنی طرف بھی جھک کے نگاہیں رہیں بلند
دیکھا کیے کمال کا پہلو زوال میں

گھٹتا ہے جی کہ ہم نہیں مختار انفعال
اک موج خود بھی ہے عرق انفعال میں

فانی ہے ان سے طالب صد مرگ عاشقی
اے ہمت سوال اثر دے سوال میں

(۱۸۷)

نالے دعا بنے ہیں لب پہ جو کھوئے ہوئے سے ہیں
آغوش اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں

کرتے ہیں بزم ناز سے ہم اکتساب رنگ
دامانِ دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں

گزرا فریب ہر غم و شادی کا مرحلہ
ہنستے ہوئے سے اب ہیں نہ روئے ہوئے سے ہیں

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی ترے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

بالیں پہ آکے نزع کے پردے میں چھیڑ دو
نغمے جو ساز مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں

کچھ پاس جوش گریہ ہے کچھ پاس ضبط درد
اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامان تیغ یار سے فانی لہو کے داغ
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

(۱۸۸)

آپ سے شرحِ آرزو تو کریں
آپ تکلیفِ گفتگو تو کریں

وہ یہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں
آیئے دل میں جستجو تو کریں

اہلِ دُنیا مجھے سمجھ لیں گے
دل کسی دن ذرا لہو تو کریں

رنگ و بو کیا ہے یہ تو سمجھا دو
سیرِ دُنیائے رنگ و بو تو کریں

تم سے ملنے کی آرزو ہی سہی
تم سے ملنے کی آرزو تو کریں

وہ اُدھر رُخ اِدھر ہے میت کا
لوگ فانیؔ کو قبلہ رُو تو کریں

(۱۸۹)

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوا کہاں کہاں
تھی فرشِ راہ چشمِ تماشا کہاں کہاں

ذرّے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں

بزمِ الست، دارِ فنا، جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں

قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں

آخر نگاہِ دوست میں فانیؔ نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈھا کہاں کہاں

(۱۹۰)

تیورِ ستم ایجاد کے غماز نہیں ہیں
بیداد ہے بیداد کے انداز نہیں ہیں

وہ بے خبرِ شوق ہیں کچھ اُن سے نہ کہنا
وہ درد محبت ترے ہمراز نہیں ہیں

یہ تیری خموشی کی ادائیں کوئی دیکھے
نغمے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہیں

ہم تیری محبت کے گرفتار ہیں صیاد　　　یہ تارِ قفس مانعِ پرواز نہیں ہیں
دل سے بھی اب آتی نہیں فانیؔ خبر اپنی
مدت ہوئی ہم گوش بر آواز نہیں ہیں

(۱۹۱)

ایک وہی مختار ہیں ہم تو کہنے کو مجبور نہیں
ان کی رضا کے بندوں میں آزادی کا دستور نہیں
کس نے سنایا حال ہمارا آج جو یہ ارشاد ہوا
دردِ محبت والوں کو سنتے ہیں شفا منظور نہیں
غم کو ثبات بھی آخر کب تک اور یہ حیات بھی آخر کب تک
ہم بھی نہ ہوں گے غم بھی نہ ہوگا وہ دن بھی کچھ دور نہیں
جن میں تمہارا نور رہا تھا اُن میں اندھیرا رہتا ہے
جب سے گئے ہو آنکھوں میں آنسو تو بہت ہیں نور نہیں
یہ تو بُرے آثار ہیں فانیؔ غم ہو خوشی ہو کچھ تو ہو
دل کا یہ کیا حال ہوا مغموم نہیں مسرور نہیں

(۱۹۲)

زخم نصیب تھا جگر زخمِ جگر سے کیا کہیں
ان کی نظر نے کیا کیا اُن کی نظر سے کیا کہیں
رسمِ وفا سے بے خبر ہم بھی نہیں مگر حضور
بس بھی تو آنسوؤں پہ ہو دیدۂ تر سے کیا کہیں
آہ انھیں کی ہے عطا خیر وہ بے اثر سہی
دیں گے اثر بھی اب وہی بابِ اثر سے کیا کہیں

رازِ بہار ہے کہیں منہ سے نکالنے کی بات
سجدۂ دل کی واردات سجدۂ سر سے کیا کہیں

شکوۂ غم سے فائدہ شکرِ ستم بھی کیا ضرور
حُسن کے شعبدوں کا حال شعبدہ گر سے کیا کہیں

دل کے سوا یہاں کوئی محرمِ دردِ دل نہیں
بے خبروں سے کیوں کہیں اہلِ خبر سے کیا کہیں

حسنِ جفا پسند سے حسرتِ عرضِ شوق کیا
تشنہ لبی کا ماجرا آبِ گہر سے کیا کہیں

دل کے چمن کی ہر کلی دیر ہوئی کہ جل گئی
بادِ سحر کو کیا خبر بادِ سحر سے کیا کہیں

فانیؔ اب اُن سے عرضِ حال کیجیے بار بار کیا
وہ نئے سر سے کیا سنیں ہم نئے سر سے کیا کہیں

۱۹۳

کیسی بہار اب وہ خزاں کے بھی دن گئے
اب ہم کہیں ہیں دام کہیں آشیاں کہیں

یوں ہم نشاں دوست بنے بھی تو کیا بنے
ملتا نہیں کسی کو ہمارا نشاں کہیں

غم رہ گیا ہے عہدِ محبت کی یادگار
یہ بھی نہ ہو نصیبِ دلِ دشمناں کہیں

۱۹۴

وعدوں پہ ہیں کیوں ناحق امید کی تاکیدیں
بندھتی ہیں کہیں ظالم ٹوٹی ہوئی امیدیں

بہ فیضِ محبت ہے اقبالِ محبت ہے
ہر آہ کو حاصل ہیں تاثیر کی تائیدیں

آغاز محبت کے اللہ وہ دن کیا تھے
وہ شوق کے ہنگامے وہ شوق کی تمہیدیں
بیدادا سے کہتے ہیں شوخی تو نہیں کہتے
خود درد بھی دیں اس پر خود صبر کی تاکیدیں
شہزادۂ[1] والا شان آئے تھے کہ عید آئی
اس سال مبارک ہوں فانی تجھے دو عیدیں

(۱۹۵)

میرے لب پر کوئی دعا ہی نہیں — اس کرم کی کچھ انتہا ہی نہیں
کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ — کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں
میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے — تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں
اب اُسے ناامید کیوں کہیے — دل کو توفیق مدعا ہی نہیں
غم میں لذت کہاں کہ دل نہ رہا — ہائے وہ حسرت آشنا ہی نہیں
مسکرانے وہ حال دل سن کر — اور گویا جواب تھا ہی نہیں

وہی تو ہے وہی تری محفل
ایک فانی مبتلا ہی نہیں

(۱۹۶)

کیوں دل کو صرف کشمکش جستجو کریں — لاؤ اسے شہید غم آرزو کریں
کچھ شغل چاہیے جو نظر کو تو پھر حضور — دل چاک ہو گیا ہے اسی کو رفو کریں
تھوڑی سی دیر گریۂ خونیں میں اور ہے — بڑھ لے کچھ اور درد تو دل کو لہو کریں

---

[1] شہزادۂ والا شان نواب معظم جاہ بہادر

ناخوشگوار ہے جو محبت کا تذکرہ اچھا تو لاؤ اور کوئی گفتگو کریں
فرقت میں موت مانگنے والوں کا کیا قصور آخر یہ نامراد کوئی آرزو کریں
مطلب یہ ہے کہ آج ہوئی نذرِ دل قبول ارشاد ہے کہ آئینہ ہم روبرو کریں

فانیؔ اب اٹھ کہ مست ہیں جھونکے نسیم کے
چل کر چمن میں شغل مے بے سبو کریں

۱۹۷

آ کے تماشا گاہِ جہاں میں داد تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرہ کہتا ہے ہیں ذرہ نہیں اک دنیا ہوں
محو تماشا ہوں میں یارب یا مدہوش تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منھ اب کس کا منھ تکتا ہوں
شب اشکوں کے طوفاں کا وہ جوش دخروش ارے توبہ
ہر اشک امنڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

۱۹۸

ہر سانس کے ساتھ جا رہا ہوں میں تیرے قریب آ رہا ہوں
یہ دل میں کراہنے لگا کون رو رو کے کسے رلا رہا ہوں
اب عشق کو بے نقاب کر کے میں حسن کو آزما رہا ہوں
اسرار جمال کھل رہے ہیں ہستی کا سراغ پا رہا ہوں
تنہائی شام غم کے ڈر سے کچھ ان سے جواب پا رہا ہوں

لذت کش آرزو ہوں فانیؔ
دانستہ فریب کھا رہا ہوں

۱۹۹

مانا تیری راہ کا نشاں ہوں
یہ بھی تو بتا کہ میں کہاں ہوں

میں تجھ سے جدا ہوں، تو نہیں ہے
تو ہے میرے پاس، میں جہاں ہوں

جو حال ہے، عرض حال بھی ہے
میں آپ ہی اپنی داستاں ہوں

جو چھپ نہ سکے وہ راز ہے عشق
کچھ کہہ نہ سکے وہ رازداں ہوں

مجھ سے نہ ملا سراغِ ہستی
بیٹھی ہوئی گرد کارواں ہوں

خم ہے سرِ عرش میرے آگے
کس سجدۂ شوق کا نشاں ہوں

ہے میری بقا فنا میں فانی
اس باغ میں برقِ آشیاں ہوں

۲۰۰

کیا اب سے موت کو بھی ہم زندگی بنالیں
کیوں کر تری خوشی کو اپنی خوشی بنالیں

فرزانگی تو اپنا مقدور ہی نہیں ہے
کہیے تو عقل ہی کو دیوانگی بنالیں

جن کو خیال پر بھی قابو نہ ہو وہ فانی
تقدیر کیا بناتے، تدبیر ہی بنالیں

۲۰۱

دنیا سے کچھ نہ پوچھو کیوں سرگرانیاں ہیں
یاروں سے ہمدموں سے کیوں بدگمانیاں ہیں

اس باغ میں ہیں سارے مرجھانے والے پودے
شادی و غم کے جھگڑے جھوٹی کہانیاں ہیں

ہے عمر چند روزہ، پانی کا بلبلہ سا
عالم ہے خواب کا سا یا نوجوانیاں ہیں

ہاں ہم نے جس کو پایا اپنی غرض کا پایا
یہ داغ، دوستوں کے دل پریشانیاں ہیں

کرتے تھے فخر جس پہ ہم مہرباں سمجھ کر
کیا کیا نہ ان سے ہم پر نامہربانیاں ہیں
کیا کیجئے شکایت، ہے دہر جائے عبرت
جیتے ہیں اور جب تک یہ سخت جانیاں ہیں

۲۰۲

تیرے بغیر باغ میں پھول نہ کھل کے ہنس سکے
کوئی بہار کی سی بات اب کے بہار میں نہیں

عشرت بے خلل بھی ہے، راحت لازوال بھی
اس کی خوشی ہے غم تو پھر کیا غم یار میں نہیں

جمع ہیں میری لاش میں زیست کے سارے انقلاب
کون سی وضع اضطرار میرے قرار میں نہیں

۲۰۳

بے طرح ہم چپ ہوئے ہیں، جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اب رازِ خموشی برملا کہنے کو ہیں

آزما کر حال دل ایمان لاتے ہی بنا
ہم سمجھتے تھے کہ کاوہ کہر کہنے کو ہیں

موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی
زندگی کو آفتِ صبر آزما کہنے کو ہیں

مل چکا روز قیامت خون ناحق کا عوض
وہ دعائے مغفرت کو خوں بہا کہنے کو ہیں

شکوۂ غارت گری ہائے تغافل کیا کریں
ہم کہ رہزن کو بھی خضر رہنما کہنے کو ہیں

کون تھا یارب نمک پاشِ جراحت ہائے دل
زخمِ دامن دار کو ہم بامزا کہنے کو ہیں
اور پڑھ فانیؔ اسی دھن میں کوئی تازہ غزل
نکتہ پردازانِ محفل مرحبا کہنے کو ہیں

(۲۰۴)

رند رمز یار سا کے بے ریا کہنے کو ہیں
جو فروشِ زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں
حسرت اے شوقِ شہادت ہجرت اے قاتل کہ ہم
نخلِ ماتم کو نہالِ مدعا کہنے کو ہیں
اُس سے کہیے جس نے اندازِ جفا دیکھا نہ ہو
جذبِ دل اور وعدہ روزِ جزا کہنے کو ہیں
تا کجا یہ دل فریبی، اے امیدِ جاں بری
چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں
پردہ داری چاہیے خوئے فلک کی ورنہ ہم
کشتیِ غم کے خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں
ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیؔ آشفتہ سر
اور بھی کچھ شاعرانِ خوش نوا کہنے کو ہیں

(۲۰۵)

جدھر آنکھ اٹھا کر دلا دیکھتے ہیں
ہر اک شے میں جلوا ترا دیکھتے ہیں
کھلی ہیں جو آنکھیں دمِ نزع علت ڈر
کہ ہم انتظارِ قضا دیکھتے ہیں

الجھ بیٹھتے رہیں ابر اک بار اس سے
جسے مبتلا زلف کا دیکھتے ہیں

دلا ظلم سہہ کر وفا کو بھی سہنا
وہ اول تجھے آزما دیکھتے ہیں

یہ کس غیرتِ گل کی ہے آمد آمد
کہ ہر غنچہ شوکت کھلا دیکھتے ہیں

ردیف (و)

(۲۰۶)

اے بے خودی ٹھہر کہ بہت دن گزر گئے   مجھ کو خیالِ یار کہیں ڈھونڈتا نہ ہو
ساحل پہ جا لگے گی یونہی کشتیٔ حیات   اپنا خدا تو ہے جو نہیں ناخدا نہ ہو
اچھا حجاب ہے کہ جب آتے ہیں خواب میں   پھر پھر کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

دل ہی نہیں ہے جس میں نہ ہو درد عشق کا
وہ درد ہی نہیں ہے جو ہر دم سوا نہ ہو

(۲۰۷)

ہو کر اس کوچہ سے اے بادِ صبا کے جھونکو   آئے جاؤ مجھے دیوانہ بنائے جاؤ
حشر تک بے کسیٔ مرگ مجھے روئے گی   چار آنسو مری تربت پہ بہائے جاؤ

دلِ فانی کو بہت ہے ارنی کا دعویٰ
کوئی بجلی رخِ روشن سے گرائے جاؤ

(۲۰۸)

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ   بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ
چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ   تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خوں رلادے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

اُدھر منہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کا عیش مرگ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اُٹھا شورِ ماتم آخری دیدارِ میت پر
اب اُٹھا چاہتی ہے نعشِ فانی دیکھتے جاؤ

(۲۰۹)

اب اٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہے بڑھ کے داماں کو

مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہوں گی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عیش ساماں کو

بیاباں کو یہاں لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی ذرے اُڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو

نہ آیا موسمِ گل جب دل دیوانہ جیتا تھا
جواب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو

چھٹے جب قیدِ ہستی سے تو آئے کنجِ تربت میں
رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو

تمنا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے
نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشقِ آساں کو

نظر سے جب ملی ان کی نظر دل میں اُتر آئی
ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو

دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی تمنا اک جنسِ امیدِ وصلِ جاناں کو

(۲۱۰)

اثر پا بندِ بے تابی نہیں تو ضبط بھی کیوں ہو
بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو

خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
اجل کہتے ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو

ستم کا لطف بھی ہے امتیازِ لطف کے دم تک
کرم بھی کیوں نہ ہو بیداد گر بیداد ہی کیوں ہو

ٹھکانا ہے سرِ تقدیر پر ہر خونِ ناحق کا
تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو

نگاہِ یاس کو رودادِ حسرت کہہ تو لینے دے
ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو

ہماری بے خودی منجملۂ آدابِ الفت ہے
کسی کو دیکھ کر دل روشناسِ آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامنِ دل سے
مری میّت پہ فانیؔ نوحہ گر اک بے کسی کیوں ہو

۲۱۱

اے زمینِ لکھنؤ اے آسمانِ لکھنؤ
تم سے رخصت ہو رہا ہے میہمانِ لکھنؤ

گرچہ یہ آوارۂ ملک و وطن کچھ بھی نہیں
تھا مگر منجملۂ دلدادگانِ لکھنؤ

گرچہ اس ناخواندہ مہماں کی نہ تھی خاطر عزیز
بے تکلف تھا یہ خاکِ آستانِ لکھنؤ

الوداع اے سبزہ و فوارہ و حوض و چمن
رخصت اے جوشِ بہارِ بے خزانِ لکھنؤ

رخصت اے بام و درِ ہر کاخ و ایواں الوداع
الوداع اے لکھنؤ اے مردمانِ لکھنؤ

داغ ہے دل پر تری آزردگی بے سبب
الوداع اے خاطرِ نامہربانِ لکھنؤ

جمع ہیں دونوں جہاں اپنے دلِ رنجور میں
اک جہانِ آرزو ہے، اک جہانِ لکھنؤ

شکوہ ان بے مہریوں کا گو نہیں اصلا ہمیں
ہاں مگر اتنا رہے خاطر نشانِ لکھنؤ

بے مروت یوں تو سب ہیں چاہنے والے ترے
کم ہیں فانیؔ کی طرح شیدائیانِ لکھنؤ

۲۱۲

اُمیدِ انعامِ خاص رکھنو کرشمۂ لطفِ عام دیکھو
نصیب تو خیر ہے جو کچھ ہے نصیب کا اہتمام دیکھو

وہ ایک رنگینیٔ نظر ہے جو سو بہاروں میں دیکھتا ہوں
مری محبت کی نامیوں میں ادائے حسنِ تمام دیکھو

جو ہے وہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ اب نگاہوں کا حال یہ ہے
جدھر نگاہیں ذرا اُٹھاؤ اُدھر تمھارا ہی نام دیکھو
یہ ترکِ بیداد و قدرِ دل کیوں وفا تو اربابِ دل کی خو ہے
جفا سو تقدیرِ آرزو ہے ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو
خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے فانیؔ
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

۲۱۳

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق
اتنی بھی آدمی کو امیدِ کرم نہ ہو
غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی
کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو
منظور ہر نوشتۂ تقدیر ہے مجھے
لیکن وہ جس میں حرفِ تمنّا رقم نہ ہو
ہر لمحۂ حیات ہے بیگانۂ حیات
فانیؔ حیات ہی سے عبارت عدم نہ ہو

۲۱۴

خدا اثر سے بچائے اس آستانے کو
دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو
بہار لائی ہے پیغام انقلابِ بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو
نہ پوچھیے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑیے مرے بھولے ہوئے فسانے کو
یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسر تھے
تری نگاہ نے سکھلا دیے زمانے کو
چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو
خیالِ یار بھی کھویا ہوا سا رہتا ہے
اب ان کی یاد بھی آتی ہے بھول جانے کو
نگاہِ لطف نہ فرما نگاہِ ناز کے بعد
جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو
زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانیؔ
تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

ردیف (ہ)

(۲۱۵)

تو جان مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
ہے ایک شمع رونق محفل جگہ جگہ

حسرت جدا امید جدا آرزو جدا
دنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہد خون شہید ہے
دھویا ہوا ہے دامن قاتل جگہ جگہ

تو نے فراق دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبر دل جگہ جگہ

رو رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں
ہنستی ہے مجھ پہ دوریٔ منزل جگہ جگہ

غم اصل کائنات ہے دل جوہر حیات
دل غم سے غم ہے دل مقابل جگہ جگہ

غربت میں سنگ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہے ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

کیا پوچھتا ہے وعدہ شکن کیا ہے داغِ دل
ابھرے ہیں نقشِ وعدۂ باطل جگہ جگہ

اک سرگزشتِ درد ہے ہر ذرہ خاک کا
پہنچی ہے داستانِ غم دل جگہ جگہ

اب یادگار فانیؔ بسمل ہے اس قدر
گلگوں ہے خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ

(۲۱۶)

خود ہوش سے پیدا کر ہر لغزش مستانہ
ترک مئے و مینا کر اے جرأتِ رندانہ

دل معنیٔ صورت ہے اور صورت معنی بھی
فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ

ہے کوئی جو منکر ہو اب شمع کی تمکیں کا — گم ہو گئی شعلوں میں خودداریٔ پروانہ
ہر کلمۂ الحق میں اک کیف انا بھر دوں — توبہ سے جو ٹکرا دوں الٹا ہوا پیمانہ
کچھ تذکرۂ جنّت کچھ تذکرۂ کوثر — کیا یوں بھی نہیں جائز ذکرِ مے و میخانہ
ہر موجِ شکن سے اک طوفان بہار اٹھا — جھاڑا مری وحشت نے جب دامنِ ویرانہ
حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہے — اب تو مجھے دیکھا کر اے جلوۂ جانانہ
جو مومن و کافر ہیں وہ دل ہی نہیں رکھتے — دنیائے محبّت میں کعبہ ہے نہ بت خانہ

فانیؔ ہی نہیں فانیؔ میں درسِ فنا بھی ہوں
افسانۂ عبرت ہوں اور عبرتِ افسانہ

(۲۱۷)

دلِ فانی کی تباہی کو نہ پوچھ — الم لاتمنا ہی کو نہ پوچھ
حسن تدبیر نہ رسوا ہو جائے — رازِ تقدیرِ الٰہی کو نہ پوچھ
ظلمت افزا ہے ظہورِ خورشید — روزِ فرقت کی سیاہی کو نہ پوچھ
زندگی جادۂ بے منزل ہے — مسلکِ رہبر و راہی کو نہ پوچھ
غلط انداز نگاہوں کو سنبھال — میری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ
اثرِ برقِ تجلّا کو سمجھ — آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ

منع ہے لذتِ غم بھی فانیؔ
ہمہ گیریٔ نواہی کو نہ پوچھ

(۲۱۸)

دل کی طرف حجاب تکلّف اٹھا کے دیکھ — آئینہ دیکھ اور ذرا مسکرا کے دیکھ
اس دور میں یہ طرزِ جفا آزما کے دیکھ — دل کی بجائے دل کے سکوں کو مٹا کے دیکھ
تسلیم کی نظر سے کرشمے رضا کے دیکھ — بیگانگی، دوست کو اپنا بنا کے دیکھ

اس شورش حیات کو حد سے بڑھا کے دیکھ — یہ فتنہ اور حشر سے پہلے اٹھا کے دیکھ

یوں دیکھتا ہے تیرگی آب و گل میں کیا — شعلوں سے کھیل دل کو جلا اور جلا کے دیکھ

ہر زندگی کا نام نہ رکھ دل کی زندگی — ایمان زندگی پہ نہ لا آزما کے دیکھ

تیری تجلیوں سے کسی طرح کم نہیں — دل کی تجلیوں کو کبھی دل میں آ کے دیکھ

اب کے ادائے خاص سے کر امتحانِ دل — جو برق طور پر نہ گری ہو گرا کے دیکھ

ہاں اہل دل کے حال سے غفلت محال ہے — اچھا یقین نہیں تو مجھی کو بھلا کے دیکھ

دنیا کو دیکھنا تو میسر نہیں تجھے — ذرے کو دیکھنا ہے تو دنیا بنا کے دیکھ

فانی سفینہ اب بھی نہ ڈوبے تو کیا کرے
طوفان کو نہ دیکھ ستم ناخدا کے دیکھ

ردیف (ی)

(۲۱۹)

اپنی جنت مجھے دکھلا نہ سکا تو واعظ — کوچۂ یار میں چل دیکھ لے جنت میری[1]
ساری دنیا سے انوکھی ہے زمانے سے جدا — نعمتِ خاص ہے اللہ رے قسمت میری
شکوۂ ہجر پہ سر کاٹ کے فرماتے ہیں — پھر کرو گے کبھی اس منھ سے شکایت میری
تیری قدرت کا نظارہ ہے مرا عجز گناہ — تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری
لو تبسم بھی شریکِ نگہِ ناز ہوا — آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری

فیضِ یک لمحۂ دیدار سلامت، فانیؔ
غم ہر روز ہے بڑھتی ہوئی دولت میری

(۲۲۰)

چھوا نشانہ ازل میں ایک تڑپتا ہوا جگر — کیا بات ہے تری نگہِ انتخاب کی
ہجر و وصال دونوں مرے حق میں قہر ہیں — یہ امتحاں کا رنگ، وہ صورت عتاب کی
بس کھل گیا کہ جوشِ جنوں کا ہے سلسلہ — تفسیرِ زلفِ یار ہے تعبیر خواب کی

جس دل پہ کی نظر وہی پہلو میں پھر نہ تھا
شوخی تو دیکھیے نگہِ انتخاب کی

---

[1] ابتدا کے تین شعر دیوان میں ہیں اور باقی تین شعر عرفانیات میں ہیں۔

(۲۲۱)

فلک دشمن ہے، نالے بے اثر ہیں، یار بے پروا
تری مشکل ہو آساں اے دلِ ناداں یہ مشکل ہے

الٰہی قطع ہو گی روح سے راہِ عدم کیوں کر
مجھے جب سانس لینا ضعف سے قطعِ منازل ہے

بقائے جذبۂ الفت اسے کہتے ہیں اے فانی
کہ اب تک گردبادِ خاکِ مجنوں شکلِ محمل ہے

(۲۲۲)

اس قدر جذبہ الٰہی خنجرِ قاتل میں ہے
میان سے نکلے تو میں سمجھوں کہ خنجر دل میں ہے

حالِ دل کب تک سنو گے بس تم اتنا جان لو
مرغِ بسمل کی سی کیفیت دلِ بسمل میں ہے

منہ سے کہیے یا نہ کہیے، مل گیا ہم کو جواب
آپ کے تیور کہے دیتے ہیں جو کچھ دل میں ہے

(۲۲۳)

یوں چلے گر جانبِ دل بر چلے
سر کے بل یا جائے یا بے سر چلے

باغِ دنیا کوئی اپنا گھر نہ تھا
آئے تھے گل گشت کرنے کر چلے

یہ تقاضا ہے ہوائے شوق کا
اس طرح چل جس طرح صرصر چلے

ہاں کوئی جادو جگاؤ آنکھ سے
ہاں کوئی چلتا ہوا منتر چلے

خنجرِ قاتل کا شکوہ کیا کریں
جیتے جی ہم دل کے ہاتھوں مر چلے

کر چکے تم پر فدا جانِ عزیز
ہم ادا حقِ محبت کر چلے

کس خوشی سے ہم چلے سوئے لحد　　بعد مدت جیسے کوئی گھر چلے

مل گئی فانیؔ محبت کی سزا
دے کے دل ہم جان صدقے کر چلے

(۲۲۴)

ہم سے اے بے اثری ظلم یہ کیوں کر اٹھے　　آسماں ٹوٹ پڑے دستِ دعا گر اٹھے

بزمِ جاناں میں نہیں قابلِ شرکت دلِ زار　　کہ یہ دیوانہ ہے کیا جانیئے کیا کر اٹھے

ہے انھیں مدِ نظر آج تماشا دل کا　　درد سے کوئی یہ کہہ دے کہ سنبھل کر اٹھے

مدعا بے خودیٔ دل ۔ مدعائے درد جگر　　ہاتھ سینہ سے نہ زانو سے مرا سر اٹھے

موت کہتی ہے کہ للہ اٹھاؤ خنجر　　ناز کی کہتی ہے زنہار نہ خنجر اٹھے

جس جگہ بیٹھ گیا، بیٹھ گیا فانیؔ زار
اب تو شاید ترے کوچے سے مر کر اٹھے

(۲۲۵)

رنجش بے جا تمھاری اور ہے　　بخت کی ناسازگاری اور ہے

کون اٹھائے بارِ احسانِ شفا　　اب تمنا ہی بیماری اور ہے

آنسوؤں پر منحصر رونا نہیں　　عاشقوں کی اشک باری اور ہے

باوفاؤں پر جفا کرتے ہو تم
ورنہ رسمِ دوست داری اور ہے

(۲۲۶)

اسیرِ غم وہ رخِ بے حجاب کر کے مجھے
کدھر گیا ہمہ تن اضطراب کر کے مجھے

شب فراق اجل سر پہ رکھ گئی احساں
امید وار عنایاتِ خواب کرکے مجھے
تری جفا سے ہے بڑھ کر مری وفا کا شمار
وگرنہ توہی بتا دے حساب کرکے مجھے

(۲۲۷)

سزا تجویز کی تو نے جو مرگ ناگہاں میری
محبت بھی کوئی تقصیر تھی اے آسماں میری
یہ ان پر مرنے والوں میں، وہ صدقے ہونے والوں میں
دل و جاں دونوں ان کے ہیں نہ دل میرا نہ جاں میری
نہایت بامزہ ہے عشق کے ماروں کا افسانہ
زبانِ حال کو از بر ہے ساری داستاں میری
شہیدِ ناز ٹھہروں، کشتۂ انداز کہلاؤں
کرو تم ذبح مجھ کو ایسی قسمت ہے کہاں میری
جفا پر صبر کرنا، غم سے گھلنا۔ جان دے دینا
وفائیں کیجیے گا رفتہ رفتہ امتحاں میری
دکھا دو جلوۂ عارض اگر تم دیکھنا چاہو
نظر محو تماشا اور زباں گرم فغاں میری
شب غم کٹ گئی فانی سحر وہ ہوتی آتی ہے
قضا اللہ جانے رہ گئی ظالم کہاں میری

(۲۲۸)

کسی کو کیا مرے سود و زیاں سے	گرے کیوں برق بچ کر آشیاں سے

مگر جب تو ہی باندھے دشمنی پر تو پھر کیا شکوہ کیجیے آسماں سے
مٹاتے ہیں خطِ تقدیر کو ہم جبیں گھستے ہیں تیرے آستاں سے
چُرا کر دل پلٹ جانا مُکر نا یہ چالیں سیکھ لیں تم نے کہاں سے
بہت سر پیٹتی ہیں آرزوئیں
کوئی ناکام جاتا ہے جہاں سے

۲۲۹

پھر پارہ ہائے دل پہ چھڑک دیجیے نمک
پھر کوئی چھیڑ زخم جگر سے نکالیے
غم وہ بلا نہیں جسے دم دے کے ٹال دوں
سودا یہ وہ نہیں جسے سر سے نکالیے
تاکید ضبط ہے تہ داماں نہ روئیے
مرجائیے نہ آہ جگر سے نکالیے

۲۳۰

کسی کی یادِ مژگاں دل میں جب نشتر چبھوتی ہے
خلش ہوتی ہے لیکن کس قدر پُر لطف ہوتی ہے
قدم آہستہ اے امید رکھنا خانۂ دل میں
کہ میری آرزو آغوشِ محرومی میں سوتی ہے
تصنع سے نہیں خالی ضیائے حسنِ قدرت بھی
کہ شبنم رات بھر گلشن میں منھ پھولوں کا دھوتی ہے
مبارک جذبۂ دل اشکِ پیہم کا گُہر ہونا
کسی کی یاد انھیں تارِ تصور میں پروتی ہے

کلیجہ تھام لو تم تابِ شیون لا نہیں سکتے
کہ میری موت میری بے کسی سے مل کے روتی ہے
جو پہلے نم کیا کرتی تھی ظالم تیرے دامن کو
وہ چشمِ خونفشاں اب رختِ ہستی کو بھگوتی ہے
نہ چھوڑا نخلِ غم کی آبیاری نے لہو باقی
سرشتِ عشق دل میں کس بلا کا بیج بوتی ہے
مری حسرت کو فانی کاش اتنا کوئی سمجھا دے
کہاں تک سوگواری۔ صبر کر۔ کیوں جان کھوتی ہے

(۲۳۱)

لحد میں چین سے رہنے نہ دے گی یاد اس غم کی
بچھاؤ تم نہ بزمِ ناز میں صف میرے ماتم کی
جو آئے ہو تو ٹھہرو دم نکلنا دیکھتے جاؤ
مری جان میہمانِ لب ہے اور وہ بھی کوئی دم کی
چمن میں شام آئے شب گذاری صبح چل نکلے
ملی بھی کیا ازل میں زندگانی ہم کو شبنم کی
بناؤں دل کو خوگر ہائے کیوں کر رنجِ بے حد کا
بھلا دوں دل سے کیوں کر یاد تیرے لطفِ پیہم کی
الٰہی خیر ہوتا ہے مجھے تلوار کا دھوکا
وہ قاتل کی کمر میں دیکھنا بجلی سی کیا چمکی
دکھایا کل تماشا قابلِ نظارہ عبرت نے
طلوعِ صبح نے جب محفلِ پروانہ برہم کی
دلِ مرحوم فانی کی جواں مرگی کا ماتم ہے
چلی آتی ہیں اُمڈی آرزوئیں ایک عالم کی

(۲۳۲)

ڈرو نہ تم کہ نہ سن لے کہیں خدا میری
کہ روشناسِ اجابت نہیں دعا میری
وہ تم کہ تم نے جفا کی تو کچھ بُرا نہ کیا
وہ میں کہ ذکر کے قابل نہیں وفا میری
چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنو گے تم التجا میری

ہے کچھ ایسی یاس سے حسرت بھرے میں نے دم توڑا　جگر کو تھام کے رہ رہ گئی قضا میری

خدا نے زہر کی تاثیر بخش دی فانی
ترس گئی تھی اثر کو بہت دوا میری

(۲۳۳)

یاد آ جاتے ہیں جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دل مرا دوزخ میں جنت کے مزے
صبح ہوتے ہی بھلا دے کوئی یارب کس طرح
رات بھر باہم وہ شکووں کے شکایت کے مزے
جب کیا اظہارِ غم ظالم نے جھنجھلا کر کہا
آگے آگے دیکھنا تم میری چاہت کے مزے
اے اجل گھبرائے گا تنہائی تربت سے دل
یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوشِ وحشت کے مزے
ایک غم سو راحتیں اک عشق سو کیفیتیں
یاس کی لذت جدا دیکھو اور حسرت کے مزے
ہم ہیں اور بے تابیِ دل ۔ دل ہے اور دردِ فراق
وہ ہیں اور اللہ رکھے عیش و عشرت کے مزے
ربطِ حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت میں کہاں ناواقفیت کے مزے
کیا رفو کی داد مجھ سے چاہتا ہے چارہ گر
کھو دیے کم بخت تو نے سب جراحت کے مزے
جمع ہیں لاکھوں حسیں سب بے تکلف بے حجاب
کیا ہی دلکش ہیں تماشائے قیامت کے مزے

اُن سے رسم و راہ کیا جاتی رہی جاتے رہے
خط کتابت کے مزے۔ صاحب سلامت کے مزے
قبر پر آ کر وہ فانی بے مروت لکھ گئے
مجھ سے پوچھے کوئی لفظِ بے مروت کے مزے

(۲۳۴)

تم نے جانا ہی نہیں دردِ جگر کیا چیز ہے
دل کا آ جانا کسی بے درد پر کیا چیز ہے
کس کو دیکھوں، کس کو سمجھوں، دونوں عالم ہیں حسیں
حور بھی قربان ہے تم پر بشر کیا چیز ہے
کاش میں واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے
کاش تم سمجھو کہ عشق فتنہ گر کیا چیز ہے
کیا کہو گے گر وہ فانی حال دل سن کر کہے
ہم نے مانا دردِ دل کچھ ہے مگر کیا چیز ہے

(۲۳۵)

نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہے مجھے
جنون چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے
خرابِ لذتِ جاں کاہی محبت ہوں
مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہیں ہے مجھے
نہیں یہ مردنِ دشوار بے سبب یعنی
یقین مژدۂ پیغام بر نہیں ہے مجھے
جنوں سہی اثرِ بے خودیٔ غم نہ سہی
تمھیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے
نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن
مجال بخیۂ زخمِ جگر نہیں ہے مجھے
یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا
خمار بادۂ وحدت اگر نہیں ہے مجھے
یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہاں
تلاش چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھے
ہلاکِ تلخیٔ تاثیرِ شکوہ ہوں فانی
شکایت گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

(۲۴۶)

گردش وہی یہاں بھی سپہر کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہے جو قسمت وطن میں تھی

آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم
آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی

اس کے سوا نہیں خبر آشیاں مجھے
میں تھا اسیر دام تو بجلی چمن میں تھی

بے پردہ ذکر یار ہے در پردہ یادِ یار
میری زباں پہ ہے جو دل برہمن میں تھی

بعد فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع شمع ہے جو تری انجمن میں تھی

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

اے یاس تو نے آکے اسے بھی مٹا دیا
لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگ فانیؔ بے کس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطر اہل وطن میں تھی

(۲۴۷)

ابتدائے عشق ہے لطف شباب آنے کو ہے
صبر رخصت ہو رہا ہے ۔ اضطراب آنے کو ہے

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتاب صبح محشر ہم رکاب آنے کو ہے

مجھ تک اُس محفل میں پھر جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے

خط کے پُرزے نامہ بر کی لاش کے ہمراہ ہیں
کس ڈھٹائی سے مرے خط کا جواب آنے کو ہے
خواب دیکھا ہے کہ میرا نامہ بر مارا گیا
کیوں خدا کیا اب مرے خط کا جواب آنے کو ہے
ناامیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے ٹھہر خط کا جواب آنے کو ہے
روح گھبرائی ہوئی پھرتی ہے میری لاش پر
کیا جنازے پر میرے خط کا جواب آنے کو ہے
بھر کے ساقی جام مے اک اور لا اور جلد لا
اُن نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے
خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویر یار
آئینہ میں قدِ آدم آفتاب آنے کو ہے
پھر حنائی ہونے والے ہیں مرے قاتل کے ہاتھ
پھر زبانِ تیغ پر رنگِ شہاب آنے کو ہے
اب کے سوئے کیا اٹھیں گے فتنۂ محشر سے ہم
صبحِ محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے
گُدگُداتا ہے تصوّر چٹکیاں لیتا ہے درد
کیا کسی بے خواب کی آنکھوں میں خواب آنے کو ہے
دیکھیے موت آئے فانیؔ یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے

(۲۲۸)

ادا سے آڑ میں خنجر کے منھ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دُلہن بنائے ہوئے
الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل
اثر ہے دیر سے دست دعا اٹھائے ہوئے

تری لگائی ہوئی آگ حشر تک نہ بجھی
ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے

بلائے جاں ہے مگر پھر بھی آرزو ہے تری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے
چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمھیں کہو کہ تمھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانی زار
امید وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

(۲۳۹)

یہ ہستئ دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے ترا اے دل انداز پریشانی

تعبیر اجل نے دی اس خواب پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے اے ہستئ انسانی

کیوں کر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینہ کو حیرانی

سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا
دزدیدہ نگاہی سے کر پرسش پنہانی

کیا ہم شب وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی

یا میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
در پردہ ہے وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غم جاناں غارت گر ساماں ہے
رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہے کہ آساں ہو
کچھ نازکئ قاتل کچھ اپنی گراں جانی

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غم راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

(۲۴۰)

ابھری ہوئی ہے چوٹ دل دردمند کی
رکھتا قدم تصور جاناں سنبھال کے

کہتے ہیں جن کو عرفِ محبت میں داغِ دل — وہ نقش تو نہ ہوں ترے پائے خیال کے
ہنگامۂ شباب ہے اے دل ذرا ٹھہر — جاتا ہے تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے

قربان ایک آمدِ غم پر ہزار دل
صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

(۲۴۱)

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شبگیر کے — آسماں پر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے
بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جائیے — لوٹتے ہیں پاؤں پر حلقے مری زنجیر کے
ضبط باقی غم سلامت ہے تو سُن لینا کبھی — آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے
وصل سے محروم میں ہوں ورنہ گستاخی معاف — بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے
مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے — آ ادھر سایہ میں سو جا دامنِ شمشیر کے
ساتھ جائے گا مری میت کے سامانِ خلش — دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیرے تیر کے
مرتے مرتے ہی دلِ بے تاب کو چین آ گیا — زندگی صدقے ہیں اتری گردشِ تقدیر کے
سعی درماں بے اثر فکرِ دوا بے فائدہ — زخمِ دل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے
یاس کے آتے ہی ارماں دل سے یہ کہہ کر چلے — ہم نہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے
دیکھیے کیا ہو وہ اور آزردگی بے سبب — ہم خطا نا کردہ خوگر عذرِ بے تقصیر کے

دیکھ فانیؔ وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

(۲۴۲)

فرصت ہی نہیں کوئی گھڑی رنج سے غم سے — سو کام لگے ہیں دلِ ناکام کے دم سے
من جائیں اگر تم ہمیں جھوٹوں بھی منا لو — وعدے سے، تسلی سے، دلاسے سے، قسم سے

کہتے ہیں جسے عشق وہ ایمان ہے اپنا
کچھ دیر سے مطلب نہ ہمیں کام حرم سے

(٢٤٣)

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے — مری نظر میں ہیں جلوے کسی کے قامت کے

یہاں بلائے شبِ غم وہاں بہارِ شباب — کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

ستارے ہوں تو ستارے نہ ہوں تو برقِ بلا — چراغ ہیں تو یہی ہیں بےکسوں کی تربت کے

الٹ دیا غمِ عشقِ مجاز نے پردہ — حجابِ حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے

اڑا لیے ہیں کچھ انداز موت نے فانیؔ
عتابِ یار کے روزِ سیاہ فرقت کے

(٢٤٤)

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے — اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے

آتی ہے صبا سوئے لحد اُن کی گلی سے — شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے

اللہ بچائے اثرِ ضبط سے اُن کو — بیداد تو ہے شکوۂ بیداد نہیں ہے

اپنی ہی بدولت ہے نشیمن کی خرابی — منت کشِ بےدردیٔ صیاد نہیں ہے[١]

دل خوگرِ اندوہ ہے، کیا وصل سے خوش ہو — ہر چند کہ ناشاد نہیں، شاد نہیں ہے[٢]

آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستم گر — فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے

دنیا میں دیارِ دلِ فانیؔ کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

١، ٢ یہ اشعار صرف دیوان نہ میں ہیں۔

(۲۴۵)

ہم اپنے جی سے گزرے یوں سحر کی — شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تمھیں کس دل سے اپنی جان کہیے — وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی
انھیں بے چین کرنا چاہتا ہے — قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی
کشش کیسی کہاں کا جذبۂ دل — وہ آئے ہیں بن آئی ہے اثر کی
ہم اکثر جا کے ویرانے سے پلٹے — ہمارے گھر سے ویرانی نہ سر کی
مرا قتل اُن کے ہاتھوں یہ تو باتیں — کچھ اُن کے منھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی
تمھارے عشق کا اللہ رے فیض — جگر میں دھوم ہے دردِ جگر کی
نگاہِ شوق کے دم تک تھیں آنکھیں — اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی
اُٹھا ہاتھ اے تصوّر فاتحہ کو — یہ دل کی ہے وہ تُربت ہے جگر کی

شبِ فرقت کٹی یا عمرِ فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

(۲۴۶)

دیا اک جان کے دشمن کو دل جاں نذرِ دلبر کی — یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی
الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصلِ دلبر کی — بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی
قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھ کون آیا — کسی نے اے جنوں زنجیر کھڑکائی مرے در کی
وہ شامِ وصل دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر — انھیں یاد آ گئیں کیا گتھیاں میرے مقدر کی

اجل کی آرزو ہو دل میں فانی اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

۲۴۷

ماناکہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اور بے وفا جو کل بھی نہ یہ آج کل، گئی

ں خانۂ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ
یادش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی

تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی

کچھ کہہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہے
سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی

ِتی ہے خاک جادۂ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی

ان گردشوں کو روک کہ دل خون ہو گیا
اے آسماں ٹھہر مری حسرت کچل گئی[۱]

دل کیوں شب فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

اللہ رے نوک نشترِ غم کی لگاوٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانیؔ کے دل سے آیۂ لا تقنطو کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسنِ عمل گئی

۲۴۸

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی

صدقے اتریں گے اسیران قفس چھوٹے ہیں
بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

ہاں نہ تھا باب اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

لو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانیؔ
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

---

[۱] یہ شعر دیوان میں ہے۔

(۲۴۹)

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی — کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی
ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد — نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی
خیالِ یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا — مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی
زبان حال ٹھہر داستانِ عشق نہ چھیڑ — کہ خواب مرگ ہے تاثیر اس فسانے کی
گلہ ضرور نہیں حال بے خودی معلوم — تمھاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی
نہ دل کے ظرف کو دیکھو نہ طور کو دیکھو — بلا کی دھن ہے تمھیں بجلیاں گرانے کی
نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر — وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی
نہ بن پڑا کوئی عذر جفا کسی سے تو ہائے — ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

جبینِ درد ہے بے تاب سجدہ اے فانیؔ
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

(۲۵۰)

فصل گل خیر تو ہے دشت میں دیوانوں کی — دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی [۱]
دل کے تیور تو مجھے یاس کے چھینٹوں سے مگر — نہ بجھی آگ ، لگائی ہوئی ارمانوں کی
حسن مجبور تغافل ہے ادب شرطِ وفا — رہ گئی شرم غمِ عشق کے افسانوں کی
چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ — آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں کی
طوق منت کے بڑھا ہو گئی منت پوری — بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی
اب جفا ہے نہ وفا یاد وفا باقی ہے — تھی جہاں شمعِ وہاں خاک ہے پروانوں کی
دل میں ہر رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بوندیں — دعوتیں سینۂ فانیؔ میں ہیں پیکانوں کی

۱۔ دیوان فانی میں ایک شعر مزید ہے مگر اس کا دوسرا مصرعہ مطلع کے دوسرے مصرعہ کی تکرار ہے۔ شعر یہ ہے:

کم ہے اب بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی — دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی

(۲۵۱)

ہر ستم کا یہ تقاضا ہے کہ ہو فریاد بھی — اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی
گلشن تصویر میں تھے طائر تصویر ہم — کیا کہیں کیوں کر رہے مجبور بھی آزاد بھی
خیر ہے کیا چاہتی ہے اے نسیم کوئے یار
اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

(۲۵۲)

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے — تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے
نگاہ ناز کا صدقہ نیاز مند ہیں ہم — کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے
نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار ترے — یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے
تری خدائی میں ہوتی ہے ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

(۲۵۳)

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے — تیرا تو اے ستمگر ارمان رہ نہ جائے
جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل میں ہوں تو بہتر — اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے
اقرار وصل تو ہے ایسا نہ ہو نہ آئیں — مشکل ہماری ہو کر آسان رہ نہ جائے[1]
اے سوز غم جلا دے اے دردِ خوں رلا دے — کچھ ان کی دل لگی کا سامان رہ نہ جائے

---

[1] یہ شعر دیوان میں ہے۔

سب منزلیں ہوئیں طے محشر ہے اور اے دل
یہ ایک رہ گیا ہے میدان رہ نہ جائے

وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے

آ کر پلٹ نہ خالی اے مرگ جان لے جا
فانی کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

(۲۵۴)

چمکا دیا ہے رنگ چمن لالہ زار نے
شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے

ہر شام شام گور ہے ہر صبح صبح حشر
کیا دن دکھائے گردش لیل و نہار نے

تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے
رو رو کے صبح کی مری شمع مزار نے

ہاں ہم نہ تھے فریب تمنا سے بے خبر
کیا کہیے کیا کیا دل امیدوار نے

اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی
اک مرگ ناگہاں کے غم انتظار نے

(۲۵۵)

رابطۂ جسم و جاں دیکھیے کب تک رہے
زیست کا ہم پر گماں دیکھیے کب تک رہے

میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوں نہ ہوں
سعیِ الم رائیگاں دیکھیے کب تک رہے

دیکھیے کب تک مٹے سینۂ فانیؔ کا داغ
تربتِ دل کا نشاں دیکھیے کب تک رہے

(۲۵۶)

عیش جہاں باعثِ نشاط نہیں ہے
خندۂ تصویر انبساط نہیں ہے

گریہ کہ آداب کے حواس ہیں کس کو
ہائے کہ اب تاب احتیاط نہیں ہے

، عرفانیات میں صرف ابتدا کے چار شعر ہیں۔ آخری دو شعر دیوان اور باقیات میں ہیں۔

روح کو کیوں اختلاط ہے باقی
دہر میں اب رسم اختلاط نہیں ہے

طاقت دل دے چکی جواب پر اب تک
قوت غم رو بہ انحطاط نہیں ہے

ان کی جفا میں بھی رنگ وفا نہیں یعنی
غیر سے بھی اب وہ ارتباط نہیں ہے

داغ باندازۂ جگر نہیں فانی
وسعت منزل بقدر بساط نہیں ہے

(۱۵۷)

بشر میں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہے

مری میت پہ ان کا طرز ماتم کس بلا کا ہے
دل بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل میں نہیں آیا تو پھر یہ داغ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقش کف پا ہے

مری محرومیوں کا فیض جاری ہے رگ و پے میں
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خون تمنا ہے

غبار رشک خارستان حسرت یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے

تمہارے ظلم، طعن غیر کے، لوگوں کے آوازے
محبت میں دل مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثار بے تابی
ہم اے امید تجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے

محبت ہی نہیں تو پاس آداب محبت کیا
وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے

مری تربت کو اپنا گھر بنا لینے سے کیا حاصل
یہ کیا دیوانگی ہے کچھ مری وحشت کو سودا ہے[1]

اسی کو تم مگر اے اہل دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

شب فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے مزاج دل تو اچھا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانی سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

---

[1] یہ شعر دیوان میں ہے۔

(۲۵۸)

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے — برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے
شوق ا[illegible] ہنگامہ کو وحشت جانا — جمع جب خاطر وحشت ہوئی ارماں سمجھے
حکم و[illegible]ت ہے کہ زنداں کو بھی صحرا جانو — دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

فانی اس عالم ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غم پنہاں سمجھے

(۲۵۹)

نصیب ہو بھی کو کیا لطف وصل یار میں ہے — سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے
فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہے — شمار دل بھی ستم ہائے بے شمار میں ہے
قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دار و مدار — سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہے
عزیز خاطر فطرت ہے جان عبرت ہے — ہر ایک ذرہ جو اس عالم غبار میں ہے
سرشت برق سر غیر ہو خدا نہ کرے — وہ اضطراب کہ جان امیدوار میں ہے
گناہگار کی حالت ہے رحم کے قابل — غریب کشمکش جبر و اختیار میں ہے
حریف سوز نہاں تو نہیں مگر پھر بھی — بلا کی آگ اس آہ شرارہ بار میں ہے
ہماری لاش مرقع ہے بے قراری کا — اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہے

چمن سے رخصت فانی قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامن بہار میں ہے

(۲۶۰)

جنس دل مفت پھنسا کر کوئی دیوانہ بنے — زلف جاناں سے بنا ہے کوئی سودا نہ بنے

اے تری شان کہ بت خانہ تو کعبہ بن جائے　　　دل کہ مسکن ہے ترا کعبہ سے بت خانہ بنے
لب تک آجائے غم ہجر تو شکوہ ہو جائے
آپ سن لیں تو عجب کیا ہے کہ افسانہ بنے

(۲۶۱)

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے　　　اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے
دل کیا ہے پوچھ اپنے رُخ بے نقاب سے　　　شاید نشان ذرّہ ملے آفتاب سے
جاتی ہے اے امید کہاں دل اجاڑ کر　　　چل دے کوئی نہ اٹھ کے جہان خراب سے
کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حال اضطراب　　　ملتی ہے آج اس کی خبر اضطراب سے
یا میرے بے شمار گناہوں سے درگزر　　　یا میرے عذر سن کرم بے حساب سے
اے آرزوئے دید وہ دن کیا ہوئے کہ دل　　　لبریز شکوہ تھا مگر کامیاب سے
فانی جہان عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثر انقلاب سے

(۲۶۲)

دشمن جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے　　　تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے
کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے　　　وہ جنازے پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے
تو مرے دل کی نہ سن یہ آئینہ ہے اس سے پوچھ　　　تیرے صورت آشنا درد آشنا کیوں ہو گئے
کیا تمھیں اندازۂ ضبط محبت ہو گیا　　　چشم بد دُور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے
دل کی صورت آ کے پہلو سے تمھیں جانا نہ تھا　　　اور گئے بھی تھے تو جان بے وفا کیوں ہو گئے
کیا سنانا چاہتا ہے اے فریب التفات　　　خیر ہے لب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے
اور فانی بڑھ گئی بے تابیٔ دل بعد مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتار بلا کیوں ہو گئے

۲۶۳

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم نے گن گن کے لیے خونِ وفا کے بدلے

کی سپرد درِ بت خانہ اجل نے مری خاک
کس کو سونپا مجھے ظالم نے خدا کے بدلے

لطف بیداد، حیا، غصہ، تغافل، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلوّن نے ادا کے بدلے

ہائے میں کشتۂ انداز ہوں یارب کس کا
حور آئی مجھے لینے کو قضا کے بدلے

تیر سے تیغ سے خنجر سے سناں سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے

کفن اے گرد لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

عشق اللہ بچائے وہ مرض ہے فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

۲۶۴

محشر میں عذر قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے
وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے

اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے
کیوں چارہ ساز تجھ کو امید شفا بھی ہے

جب عشق ابتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے
دل میری زندگی ہی نہیں ہے قضا بھی ہے

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم! خدا بھی ہے

اے حدِ ضبط درد نہ کر دل سے اب دریغ
اک آہ بے صدا کہ دعا بھی ابھی ہے

سامان صد نگاہ ہے ہر ذرہ خاک کا
لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی د[illegible] بھی ہے

ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند
کس سے کہیں کوئی دلِ درد آشنا بھی ہے

دل اور حکم ضبط سے یارائے انحراف
پردے میں کوئی دشمنِ اہل وفا بھی ہے

فانی سے دل کے ساتھ تقاضا ہے جان کا
ظالم اس ابتدا کی کوئی انتہا بھی ہے

۲۶۵

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کر کے
کیا کیا ستم گر نے خوگرِ جفا کر کے

کہتے ہو وفا کی بھی ایک حد معین تھی
کس قدر پشیماں ہوں ترک مدعا کر کے

وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں
بت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے

وہ مرے جنازے پر بعد مرگ آتے ہیں
مدعا ہوا حاصل ترکِ مدعا کر کے

لذت فنا ہرگز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانیؔ موت کی دعا کر کے

۲۶۶

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خاک دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

بھر کے ساقی ایک جام زہر مے آلود لا
یعنی خاکم در دہن آج آتش دل تیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے

تھی شکستِ دل مگر تا حد آوازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہے

ہے فنا آباد غم اک معنیٔ لفظ آفریں
صورت آبادِ جہاں اک لفظ معنی خیز ہے

شاید آپہنچی ہے غم کی آخری منزل قریب
رخشِ ہستی کو جواب ہر سانس اک مہمیز ہے

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کہاں
یاں نقاب جلوہ خود حسنِ تماشا ریز ہے

گو نہیں جز ترکِ حسرت دردِ ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہے

مایۂ ادراک ہستی ہوں تکلف برطرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہے

مرگ فانیؔ کو ہے یارب آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمر وفا لبریز ہے

(۲۶۷)

جاتا ہے صبر بے سرو ساماں کیے ہوئے ناموس عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے
افشائے راز اہل جنوں مصلحت نہیں پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کیے ہوئے
پھر لے چلا ہے گریۂ بے تاب خط شوق دل کے لہو کو زینت عنواں کیے ہوئے
پھر ناوک نگاہ کا رُخ پھیر سوئے دل سامان صد جراحتِ پنہاں کیے ہوئے
دل کی لحد پہ خاک اڑانے چلا ہے عشق ذرّے سے اکتساب بیاباں کیے ہوئے
پھر گوشہ گیر حلقۂ زنجیر ہے جنوں صحرا کو نذر تنگی زنداں کیے ہوئے
ادراک دردِ دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ دشواریٔ حیات کو آساں کیے ہوئے
طوفان اضطراب جنوں اُٹھ کر دیر سے بیٹھا ہوں جمع خاطر داماں کیے ہوئے
اے عقل غم فروش فراغت نما ٹھہر آتا ہے عشق درد کو درماں کیے ہوئے
کیوں اہل حشر ہے کوئی نقاد سوز دل لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے
فانیؔ اب ان کی یاد پہ کیا کیجیے نثار
مدت ہوئی وداعِ دل وجاں کیے ہوئے

(۲۶۸)

شکوہ کیا کیجیے نگاہِ یار خود غم دیدہ ہے کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی وزدیدہ ہے
اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم بلبلہ ہے عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے
مائل پرواز ہے مقتل میں خون گرم دل
آتشِ سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

(۲۶۹)

تو شمع آئینہ خانہ ہے آئینہ کیا ہے تری خدائی کے قربان ماسوا کیا ہے
اٹھا بھی دے نگہ ماسوا نگر کا حجاب یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہے دیکھنا کیا ہے
کیا ہے خلق مجھے باوجود علم گناہ
یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

۲۷۰

مشتاق خبر دار رہیں دل سے جگر سے
ملتی ہے زمانے کی نظر ان کی نظر سے

منھ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشید قیامت نے مرے دامن تر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے
منھ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں رفو کے بھی ہیں ٹانکے
سینہ میں دھواں خیر ہے اٹھتا ہے کدھر سے

امید اثر اور ان آہوں سے جو نکلیں
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم نوازش
لبیک کی آتی ہے صدا چاک جگر سے

عرفان محبت سے جدا دل نہیں ہوتا
لیتے ہیں یہاں فال خبر ذوق خبر سے

بیکاری وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت
دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

۲۷۱

ہوش رہے نہ دوش کا فکر مآل رہ نہ جائے
خلوت یاد یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے

عشق ہے جب جنوں تو پھر شاد ہوا ے دل حزیں
کوئی گلہ اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے

وعدہ فریب ہے تو اور تند ہوا ے ہوائے شوق
ہاں رہِ انتظار میں گرد ملال رہ نہ جائے

تابِ نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا شانِ جمال رہ نہ جائے

عجز ادھر ادھر غرور دونوں غیور سے غیور
دامن مدعا سے دور دست سوال رہ نہ جائے

اب جو ہوا ہوا مآل چھوڑ خدا پہ اندمال
زخم جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے

جبر قبولِ عام کر کار فغاں تمام کر
غیرت غم کو رام کر اُف کی مجال رہ نہ جائے

نزع میں داد آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے
عہد کرم نباہ دے پرسش حال رہ نہ جائے

فانی زار جاں بری عشق میں مصلحت نہیں
جان وداع دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

۲۷۲

مانا حجاب دید مری بے خودی ہوئی
تم وجہ بے خودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی

دل ہے وہ طاق غمکدۂ عمر دوش کا
رکھی ہے جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی

میں منزل فنا کا نشانِ شکستہ ہوں
تصویر گرد باد وفا ہوں مٹی ہوئی

تعمیر دل نے تجھ سے لیا انتقام عشق
تیری ہی بزم جلوہ گہ عاشقی ہوئی

آتی رہے گی خیر اب اس زندگی کی موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی

مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہے دل کی لاش تماشا بنی ہوئی

دنیائے دل میں یاس کی اللہ رے دار و گیر
جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

کیجیے دعا کہ اُف تو کرے دردمند عشق
اول تو دل کی چوٹ پھر اتنی دکھی ہوئی

میرا وجود کفر۔ مری زندگی گناہ
ہستی کو ہوش ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں
آواز آ رہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی

لازم ہے احتیاط ندامت نہیں ضرور
لے اب چھری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانی وہ میں ہوں نقطۂ موہوم اتصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہوں ملی ہوئی

۲۷۳

تاکید ہے کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی
مطلب یہ ہے کہ دور سے دیکھا کرے کوئی

آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار
گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی

وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج
جب دل میں رہ کے آنکھ سے پردا کرے کوئی

کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہے درد عشق
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

خالی ہے بزم ذوق طلب اہل ہوش سے
اتنا نہیں کہ تیری تمنا کرے کوئی

وہ درد دے کہ موت بھی جس کی دوا نہ ہو
اس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانی دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

٢٧٤

متاعِ جلوہ تحیر ہے مجھ کو سکتا ہے
دل آئینہ ہے کہ منھ آئینہ کا تکتا ہے

حجاب زعمِ تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
رہی نگاہ یہ پردہ تو اٹھ بھی سکتا ہے

وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھ کو ہوش آیا
وہ درد جس کی دوا تو نہ ہے پھر چمکتا ہے

امید و بیم پہ ہے ہستیٔ بشر موقوف
کہ جا کے دم پلٹ آتا ہے دل دھڑکتا ہے

خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور
جو تیرے ہجر میں جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

اجل! بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دی؟
ٹھہر کہ خارِ تمنا ابھی کھٹکتا ہے

حدودِ غم سے غمِ عشق بڑھ چلا فانی
وہ جامِ عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہے

٢٧٥

مر کر مریضِ غم کی وہ حالت نہیں رہی
یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی

ہر لمحۂ حیات رہا وقفِ کارِ شوق
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی

اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یادش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی

کیوں مٹ گئی وفا کہ زمانہ کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

وہ عہدِ دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی

ان کے تو دل سے نقشِ کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی

دل اور ہوائے سلسلہ جنبانیٔ نشاط
کیوں پاسِ وضعِ غم تجھے غیرت نہیں رہی

اے دردِ عشق اب تو خدا کے لیے نہ چھیڑ
دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

ہر بے گنہ سے وعدۂ بخشش ہے روزِ حشر
گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی

اے عرضِ شوق مژدہ کہ دل چاک ہو گیا
تکلیفِ پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی

پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی
اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی

عبرت نے بے کسی کا نشاں بھی مٹا دیا — اُڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی
محشر میں بھی وہ عہد وفا سے مکر گئے — جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی
کس مُنھ سے غم کے ضبط کا دعوے کرے کوئی — طاقت بقدر حسرت راحت نہیں رہی

فانی امید مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

(۲۷۶)

امید التفات کو رسوا نہ کیجیے — لازم نہیں کہ خون تمنّا نہ کیجیے
شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجیے — آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجیے
اندیشہ عیش خواب لحد کا نہ کیجیے — ہنگام نزع وعدۂ فردا نہ کیجیے
دیکھو جو وقت پرسش جاناں نہ بھول جائیں — ٹھانی تو ہے کہ عرض تمنا نہ کیجیے
سرکار پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں — یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجیے
کیا فرض تھی نگاہ مکرر ازل کے بعد — یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجیے

فانی بلائے مرگ سے غم کیجیے غلط
اب جستجوئے راحت دنیا نہ کیجیے

(۲۷۷)

کارواں گزرا کیا ہم رہ گزر دیکھا کیے — ہر قدم پر نقش پائے راہبر دیکھا کیے
ترک بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی — دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے
دردمندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں — دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں — دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے
رُخ مری جانب نگاہ لطف دشمن کی طرف — یوں اُدھر دیکھا کیے گویا اِدھر دیکھا کیے
تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی مراد — مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

زیست تھی فانی بقدر فرصت تمہید شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

(۲۷۸)

ذرہ ذرہ تربت فانیؔ کا شیون جوش ہے
اس صفِ ماتم میں اک شمعِ لحد خاموش ہے

پھیر لے میت کی جانب سے نگاہ التفات
سیکڑوں شکووں کے نرغے میں لبِ خاموش ہے

وصل ہو یا ہجر دونوں ہیں مرے مشرب میں کفر
شوقِ وحدت آشنا بیگانۂ آغوش ہے

طور تو ہے ربِّ ارِنی کہنے والا چاہیے
لن ترانی ہے مگر نا آشنائے گوش ہے

اک طلسمِ فیض ہے سینے میں سوزِ دل کی ذات
بے تکلف ہر نفس اک شعلۂ خس پوش ہے

رازِ آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھلا
جو ترے قدموں پہ سر ہے بے نیازِ دوش ہے

زندگی خود کیا ہے فانیؔ یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہے

(۲۷۹)

دُنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کیا اسے ہونا کہتے ہیں
نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کیا ہستی ہے

عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے

جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

وحشت دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں یہ تو ہوش پرستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

فانیؔ جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

(۲۸۰)

فانیؔ کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
لے خواب محبت کی تعبیر نظر آئی

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی
لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا
تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

جو دل سے نکل آئی وہ آہ سناں دیکھی
جو ڈوب گئی دل میں وہ تیر نظر آئی

ہر عیش کی محفل میں پروانہ کا ماتم تھا
جو شمع نظر آئی دل گیر نظر آئی

کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا
اے قصرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی

جب خون ہوا دل کا وہ آنکھوں میں آبیٹھے
آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی

کایا غم دنیا کی وحشت نے پلٹ دی ہے
خاکِ رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی

دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے
دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی

دل اُن کے نہ آنے تک لبریز شکایت تھا
وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی

فانیؔ غم ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

(۲۸۱)

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی
فتنۂ شام غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی

سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی ہی کیوں نہ جائے
نغمۂ آرزو سنا نوحۂ یاس ہی سہی

شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ
ہاں نہیں زندگی عزیز موت ہی زندگی سہی

(۲۸۲)

ہر چند کہ ہے لیکن ملتا ہے نشاں کوئی
پہلو میں تجھے ڈھونڈھے اے درد کہاں کوئی

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیے
تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی

برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ
دل ہی پہ پلٹ آئی کی آہ جہاں کوئی

۲۸۳

شبابِ ہوش کی فی الجملہ یادگار ہوئی
جو عمر صرفِ تماشائے حسنِ یار ہوئی

حسابِ حسرتِ جرمِ نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہگار ہوئی

بساطِ عجز میں اک آہ تھی متاعِ حیات
سو وہ بھی صرفِ ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدرِ ہستیِ دل ہے خمارِ غم بدنام
خزاں خرابِ باندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار کبھی آسماں فگار ہوئی

کرم ہے رازِ امیدِ کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہے
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی

ازل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی روح
تری نگاہ مری جان بے قرار ہوئی

مرے وجود کی حجت مرے عدم کی دلیل
وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی

بہار زندۂ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

امیدِ مرگ پہ فانیؔ نثار کیا کیجے
وہ زندگی کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

۲۸۴

جب دل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دنیا مری راحت کی قسمت نے مٹا ڈالی

اب برقِ نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جس شاخ کو تاکا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہارِ محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اٹھا ڈالی

جینے میں نہ اب فانیؔ مرنے میں تمہارا اپنا
ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے اٹھا ڈالی

(۲۸۵)

اب انھیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہے
چشم بد دُور دلہن بن کے شباب آتا ہے

ہجر میں بھی مجھے امداد اجل بھی درکار
میری تربت پہ نہ آ تجھ سے حجاب آتا ہے

دید آخر ہے الٹ دیجیے چہرے سے نقاب
آج مشتاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہے

کس طرف جوشِ کرم تیری نگاہیں اٹھیں
کون محشر میں سزاوارِ عتاب آتا ہے

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم
کہ جنازے پہ وہ غارت گرِ خواب آتا ہے

دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی
کیوں اجل کیا مرے نامے کا جواب آتا ہے

جلوۂ رنگ ہے نیرنگ تقاضائے نگاہ
کوئی مجبورِ تماشائے سراب آتا ہے

ہو گیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید
اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہے

ملتی جلتی ہے مری عمرِ دو روزہ فانیؔ
جی بھر آتا ہے اگر ذکرِ حباب آتا ہے

(۲۸۶)

قطرہ دریائے آشنائی ہے
کیا تری شان کبریائی ہے

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا
نارسائی سی نارسائی ہے

کون دل ہے جو درد مند نہیں
کیا ترے درد کی خدائی ہے

جلوۂ یار کا بھکاری ہوں
شش جہت کاسۂ گدائی ہے

موت آتی ہے تم نہ آؤ گے
تم نہ آئے تو موت آئی ہے

بچھ گئے راہِ یار میں کانٹے
کس کو عذرِ برہنہ پائی ہے

ترکِ امید بس کی بات نہیں
ورنہ امید کب بر آئی ہے

مژدۂ جنت وصال ہے موت
زندگی محشرِ جدائی ہے

آرزو پھر ہے در پئے تدبیر
سعیِ ناکام کی دُہائی ہے

موت ہی ساتھ دے تو دے فانیؔ
عمر کو عذرِ بے وفائی ہے

(٢٨٧)

کیوں نہ نیرنگ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے
گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے

برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگ جاں ہو جائے
فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے

جوہر آئینۂ دل ہے وہ تصویر ہے تو
دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے

غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں
دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

عشق وہ کفر کہ ایمان ہے دل والوں کا
عقل مجبور وہ کافر جو مسلماں ہو جائے

ذرہ وہ راز بیاباں ہے جو افشا نہ ہوا
دشت وحشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے

غم محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز
دل کی ہستی وہ حقیقت ہے جو عریاں ہو جائے

خلد میخانہ کو کہتے ہیں بقول واعظ
کعبہ بت خانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے

سجدہ کہتے ہیں در یار پہ مر جانے کو
قبلہ وہ سر ہے جو خاک رہ جاناں ہو جائے

موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

(٢٨٨)

اے کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے

آنے دو تو فرقت کے دکھ کیا ہیں اجل کیسی
آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے

سر اب مجھے بھاری ہے صدقہ ترے خنجر کا
یہ بار اتر جاتا جو وار کھٹے چل جاتے

(٢١٩)

جس قدر چاہئے جلووں کو فراوانی دے
ہاں نظر دے تو مجھے فرصت حیرانی دے

ترجمانِ غم دل رنگ شکستہ ہے نہ آہ
کون اس عہد میں اب دادِ زباں دانی دے

وحشتِ تازہ کا نوروز مبارک اے عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعتِ عریانی دے

پھر تجھے زحمتِ درباں نہ مجھے شکوۂ غیر
میری قسمت کو جو تو خدمتِ دربانی دے

خلشِ درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
جنسِ حرماں کو خدا عزتِ ارزانی دے

ہے ہوس ہوش تو اس ہوش سے میں باز آیا
کاش پھر بے خبری مژدۂ نادانی دے

اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یا رب
در و دیوار دیے اب انھیں ویرانی دے

حسن کے افسانۂ دل پھر متبسم ہو جا
گریۂ شوق کو پھر دعوتِ طغیانی دے

رہ نہ جائے کہیں دشواری فانی باقی
اس کی مشکل کو بھی اب رخصتِ آسانی دے

(۲۹۰)

وہ مشقِ خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے

خدا کی مار جواب دل پہ اختیار رہے
بہت قرار کے پردے میں بے قرار رہے

کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے
خدا کرے کہ مجھے تابِ انتظار رہے

فنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ
کوئی مزار میں کوئی سر مزار رہے

سکونِ موت میری لاش کو نصیب نہیں
رہے مگر کوئی اتنا نہ بے قرار رہے

میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں
کہ زندگی مری مرنے کی یادگار رہے

جو دل بچا نہ سکے جان کیا بچا لیں گے
نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

میں غم نصیب وہ مجبورِ شوق ہوں فانی
جو نامراد جیے اور امیدوار رہے

(۲۹۱)

ہر چند کچھ اور ہے حقیقت
کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے

کیا کیجیے سیرِ باغِ عالم
گل پردہ نشینِ رنگ و بو ہے

اللہ رے تری فسوں نوازی
جو دل ہے طلسمِ آرزو ہے

(۲۹۲)

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے — میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے
یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل — یا انھیں آنکھوں سے دریا بہ گئے
موت ان کا منھ ہی تکتی رہ گئی — جو تری فرقت کے صدمے سہ گئے
تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل — مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا — پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے
اٹھ گئے دنیا سے فانی اہلِ ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

(۲۹۳)

اس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیے — ہے شمع بھی پروانہ پروانے کو کیا کہیے
ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے — کعبے میں ہے سناٹا بت خانے کو کیا کہیے
کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا — جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیے
آغاز بھی تو جس کا انجام بھی تو جس کا — اس دردِ محبت کے افسانے کو کیا کہیے
آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ — ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیے
اجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی — ویران ہے ہر بستی ویرانے کو کیا کہیے
کس نے اسے دیکھا ہے اے حسرتِ نظارہ
فانی تو ہے دیوانہ دیوانے کو کیا کہیے

(۲۹۴)

رگ رگ میں اب اندازِ بسمل نظر آتا ہے — ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہے
وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہے — اب کارِ تمنا پھر مشکل نظر آتا ہے
تو دشنۂ و پہلو میں حائل نظر آتا ہے — جیتے ہیں کہ مرجانا مشکل نظر آتا ہے
ترکِ غمِ ساحل کا حاصل نظر آتا ہے — اے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہے

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی — آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے
آغاز محبت میں جینے ہی کے لالے تھے — اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے
تو مست خود آرائی ہم حسن کے متوالے — جو ہے تری محفل میں غافل نظر آتا ہے
روداد محبت کی تصویر ہے ہر آنسو — ہر قطرۂ خونیں میں اک دل نظر آتا ہے
بے تابیٔ بے صرفہ بے وجہ نہیں یعنی — دل دردِ محبت کے قابل نظر آتا ہے

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہ میں ساحل نظر آتا ہے

(۲۹۵)

ہر دل ہے تیرے غم کی امانت لیے ہوئے — ذرّے ہیں اک جہان حقیقت لیے ہوئے
دے اذن عام عشق کو تاراج ہوش کا — بیٹھا ہوں دل میں صبر کی دولت لیے ہوئے
محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا — آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے
اس خاکدان تیرہ میں کیا ڈھونڈھتا ہوں میں — پھرتا ہوں شمع داغ محبت لیے ہوئے
کافر ہوں گر یقیں نہ ہو کافر کی بات کا — وعدے ہیں اعتبار قیامت لیے ہوئے

روشن ہوئی وہ گور غریباں میں شمع طور
آغوش نور میں مری تربت لیے ہوئے

(۲۹۶)

کترے ہیں یہ گل تیری اک جنبش دامن نے — یوں کر نہ لیے پیدا دو پھول بھی گلشن نے
بخشا جو شرف اُن کے اُڑتے ہوئے دامن نے — اُٹھ اُٹھ کے بلائیں لیں خاک سر مدفن نے
جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی — اللہ کے بندوں پر اللہ کے دشمن نے
وہ قصۂ موسیٰ پھر اے سوز جگر کہنا — کس آگ کی چنگاری دی وادیٔ ایمن نے
یہ سوختہ سامانی کس کس کے نہ کام آئی — لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی　　دنیا ہی بدل دی ہے تعمیر نشیمن نے

یہ رشک و محبت کی رُوداد ہے اے فانیؔ
اک دوست کے پردے میں مارا غمِ دشمن نے

(۲۹۷)

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی　　میں محو تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی

تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے　　تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی

بیداد کے اس تیور اس حسن کے میں صدقے　　ان کو مرے مرنے پر آئی تو ہنسی آئی

لبریز تموّج تھا اک خطِ پیمانہ　　محفل ہے جو وہ اُٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

(۲۹۸)

عمر بھر بیدادِ حسن امتحاں دیکھا کیے　　مہرباں سمجھا کیے نامہرباں دیکھا کیے

ہم تمھیں دیکھا کیے اور رائگاں دیکھا کیے　　اک حجابِ بے حجابی درمیاں دیکھا کیے

فتنۂ دوراں کی تہ میں ایک فتنہ اور تھا　　آسماں اک اور زیرِ آسماں دیکھا کیے

حسرت ان حرماں نصیبوں پر جو ہوش آنے کے بعد　　خوابِ آغوشِ قفس میں آشیاں دیکھا کیے

جب قفس میں موسمِ گل کا تصور بندھ گیا　　ہر طرف اُجڑا ہوا اک آشیاں دیکھا کیے

عشوہ سا تاثیرِ ضبطِ شوق میں سمجھا گیا　　اور مری چپ کا وہ اندازِ بیاں دیکھا کیے

غم زدوں سے فرخندۂ نظارہ کا حاصل نہ پوچھ　　بزمِ دشمن میں نگاہِ رازداں دیکھا کیے

اٹھ گیا پہلی نگاہوں میں حجابِ حسن و عشق　　ہر نظر کہتی ہے کیا کہیے کہاں دیکھا کیے

موت کی حسرت بھی کیا شے ہے کہ فانیؔ عمر بھر
ہم جفائے ہر بلائے ناگہاں دیکھا کیے

(۲۹۹)

اک سرگزشت غم ہے کہ اب کیا کہیں جسے
وہ واردات قلب تمنا کہیں جسے

اب زندگی ہے نام اس امید دور کا
لوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے

دل حاصل حیات ہے اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی کہ جان تمنا کہیں جسے

کیفیت ظہور فنا کے سوا نہیں
ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے

صحرا کا اجتہاد ہے ذرّے کی ہر نمود
ذرّے کا اعتبار ہے صحرا کہیں جسے

کیا قہر ہے لطافت دل پر گراں نہیں
وہ پیرہن غبار تمنّا کہیں جسے

کب تک رہین ذوق تماشا رہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

ہے اتصال قطرہ و دریا پہ منحصر
وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

دریوزۂ فنا مرے مسلک میں ہے حرام
درپردہ زندگی کا تقاضا کہیں جسے

فانیؔ سکون موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقش بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

(۳۰۰)

گریۂ جوش ندامت بس اب تھمنے کا تو نام نہ لے
جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے

دل کی لا محدود فضا میں گم ہو جا یوں آپ کو ڈھونڈھ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہے ہوش سے تو یہ کام نہ لے

راحت کا مفہوم یہی ہے جہد طلب سے باز نہ آ
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپے جا آرام نہ لے

لغزش توبہ کے ہاتھوں رندوں کا ٹھکانا تھا کوئی
مستی چشم یار اگر تو گرتے ہوؤں کو تھام نہ لے

ننگ ہے سعیٔ عرضِ محبت فرضِ محبت پُورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ رکھ بھولے سے اثر کا نام نہ لے

دل تو دل ہے دل کو چین آ جانا تو آسان نہیں
درد وہ ہے جو دل میں اٹھ کر آپ بھی پھر آرام نہ لے

ہونا ہے وہ ہو کے رہے گا مجبوری کی حد سے نہ بڑھ
بیٹھے بٹھائے اپنے سر آزادی کا الزام نہ لے

کافر صورت دیکھ کے مُنھ سے آہ نکل ہی جاتی ہے
کہتے کیا ہو اب کوئی اللہ کا یوں بھی نام نہ لے

حُسنِ پشیماں کو فانیؔ بیت پہ نہ دے تکلیف کرم
وضعِ شکستِ عشق نبھا دے دیکھ کوئی الزام نہ لے

(۳۰۱)

جلوہ ترا طلسم حجاباتِ نور ہے
جو جس قدر قریب ہے اتنا ہی دُور ہے

صرف دلِ شکستہ نہ کر نشۂ حیات
اب ظرف ہے نہیں کہ یہ پیمانہ چُور ہے

تسلیم ہیں مجھے بھی تری بے نیازیاں
یہ کیا کہوں کہ میری تمنا غیُور ہے

وہ دیکھ سامنے ہیں نشیب و فراز شوق
بڑھ اور دو قدم کہ یہ ایمن وہ طُور ہے

گھٹتا ہی چاہتا ہے گریباں کا فاصلہ
پھر دست شوق دامن جاناں سے دُور ہے

ہر مژدۂ نشاط سے محروم کر دیا
ارشاد ہے کہ ہجر میں جینا ضرور ہے

تجدید زندگی تو محالات سے نہیں
فانیؔ مگر یہ ان کی مروّت سے دُور ہے

(۳۰۲)

مژدۂ عیش یہ تمہید پریشانی ہے
للہ الحمد کہ پھر غم کی فراوانی ہے

حیرتِ عشق کو رکھے کوئی کیوں کر نہ عزیز
تیرے آئینہ میں تھی یہ وہی حیرانی ہے

دونوں عالم ہیں ترے سوختہ ساماں پہ نثار
چشم بد دُور عجب بے سر و سامانی ہے

قطرہ کیا موج کسے کہتے ہیں کیسا گرداب ڈوب کر دیکھ نہ دریا ہے نہ طغیانی ہے
ہاں یہ ویرانے ہی آباد بھی ہو جاتے ہیں کوئی میرے دل برباد کی ویرانی ہے
غم دوری اثر قرب سے محروم نہیں میرے نالوں میں بھی انداز غزل خوانی ہے

میں کہاں اور کہاں عمر دو روزہ فانی
زندگی اب بہ تقاضائے گراں جانی ہے

(۳۰۲)

اک برق سر طور ہے لہرائی ہوئی سی دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی
محضر ہے یہی قتل شہیدان وفا کا جلاد کی چتون ہے جو شرمائی ہوئی سی
سنتا ہوں جو آتی ہے صدا پردۂ دل سے امید کی آواز ہے تھرائی ہوئی سی
درپیش ہے پھر مسئلۂ طاقت دیدار پھر کچھ نگہ شوق ہے گھبرائی ہوئی سی
اک عالم دل ہے یہی دنیا یہی فردوس ہر شے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی سی
میرے دل برباد کے دھندلے سے نشاں ہیں اس باغ میں کلیاں ہیں جو مرجھائی ہوئی سی

ہر سانس ہے فانیؔ مجھے گویا دم آخر
سمجھتا ہوں محبت میں قضا آئی ہوئی سی

(۳۰۳)

عہد خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ آنے لگی ہے ذکر وفا سے حیا مجھے
کیوں شوخی کرم یہ ازل میں بجائے دل بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے
ہوں وہ فریب خوردۂ رہبر کہ لاکھ بار پلٹا کے لے چلا ہے مرا نقش پا مجھے

آئینہ تھا جو نقش بدیوار ہو گیا
تم دیکھتے مجھے کوئی دیکھتا مجھے

٣٠٥

وہ بےخودی کے پیالے پلا دیے تو نے
مرے حواس ٹھکانے لگا دیے تو نے

گرا کے قطرۂ شبنم گلوں کے دامن پر
تجلیات کے دریا بہا دیے تو نے

بنا کے ہجر کی راتوں کو بے نیازِ سحر
تعینات کے پردے اٹھا دیے تو نے

دکھا کے تجزیۂ رنگ و بو کا حسن کمال
مشاہدات کے ٹکڑے اڑا دیے تو نے

دلوں کو دے کے فریبِ سکونِ بے آرام
تغیرات کے نقشے جما دیے تو نے

یقین عشق کی ہلکی سی لہر دوڑا کر
توہمات کے شعلے بجھا دیے تو نے

عطائے نعمت سوز و گداز کی خاطر
اذیتوں کے خزانے لٹا دیے تو نے

سرودِ عقل، غمِ عشق کے دوراہے پر
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا دیے تو نے

حجابِ نطق کو معجز نمائیاں دے کر
نظر کی آڑ میں جادو جگا دیے تو نے

جمالِ یار کا افسانہ چھیڑ کر فانی
شعاعِ نور سے دل جگمگا دیے تو نے

٣٠٦

ہے ہجر میں اور گردشِ ایام نہیں ہے
یعنی جو سحر ہو بھی گئی شام نہیں ہے

آثار ہی کچھ دردِ محبت کے برے تھے
آغاز ہی کہتا تھا کہ انجام نہیں ہے

ارمان نکل جائیں کہ آمد ہے کسی کی
دل ہے کوئی نظارہ گہِ عام نہیں ہے

ہر نام میں اک شانِ تعین ہے بہر حال
جو نام ہے تیرا وہ ترا نام نہیں ہے

منسوب ہے کیا عمر میں واعظ وہ گھڑی بھی
جو صرفِ صراحی و مے و جام نہیں ہے

ہاں ہاں اسے پہ بڑھا لیجیے اتنے ہی نقاب اور
ناکام تماشا ابھی ناکام نہیں ہے

جیتا ہوں کہ فانی مجھے جینا نہیں منظور
اچھا ہوں کہ اب حسرتِ آرام نہیں ہے

۳۰۷

حاصل بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی
یاد تیری کسی عنواں نہ فراموش ہوئی

وہ گھڑی بھی شب بے صبح تجھے یاد ہے جب
میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی

اللہ اللہ وہ رحمت ہے خطا کاروں پر
جو خطا ہونے سے پہلے ہی خطا پوش ہوئی

مجھ پہ الزام پرستارئ صورت کیا خوب
خود تری یاد ہی صورت گر آغوش ہوئی

سامنے آئیں جو ہوں دعوے تقوے والے
چشم ساقی کی ادا میکدہ بر دوش ہوئی

وہم ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر
زندگی ہجر میں اک خواب فراموش ہوئی

خاک دل ہے عجب اضداد کی دنیا فانیؔ
منزل عشق ہوئی جلوہ گہ ہوش ہوئی

۳۰۸

ذوق وحشت تو بہ زنداں بہ زنداں چاہیے
جب گلستاں چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے

دل لہو کر دے وہ ضبط رنج پنہاں چاہیے
ہر لہو کی بوند لیکن رہن طوفاں چاہیے

جوش جذب آرزو بے قید امکاں چاہیے
ہجر جاناں کیا بلا ہے یاد جاناں چاہیے

وہ تری عہد کرم کی فتنہ سامانی سہی
میری بربادی کو آخر کوئی ساماں چاہیے

۳۰۹

داد خود نمائی لے وحدت تمنا سے
آئینہ طلب فرما کثرت تماشا سے

اور ہو نہ ہو حاصل انتظار فردا سے
اُٹھ گیا محبت کا اعتبار دنیا سے

حشر میں وہ کیوں پوچھیں کہ زدوں جو نسبت ہے
شان بے نیازی کو آرزوئے رسوا سے

عشرت تجلی کی لذتیں ذرا ٹھیریں — اکتساب غم کر یوں حسن بے تماشا سے
ان کی دل نوازی میں کوئی شک نہیں لیکن — ان کی دل نوازی کو لاگ ہے تمنا سے
لے ترا تصور بھی جا کے اب نہ آئے گا — رسم ہوش اٹھتی ہے عاشقی کی دنیا سے
اس نظر نے چن چن کے آج پھر مٹا ڈالا — اضطراب ناپیدا ہر سکون پیدا سے
قصۂ جنوں اب تک یاد ہے مگر اتنا — انتہا ہے ذروں پر ابتدا ہے صحرا سے
اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا — حد جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہے دریا سے

حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا
کام آ پڑا فانیؔ عشق کارفرما سے

(۳۱۰)

مجبوری عریاں کو یہ خلعت مختاری — اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہگاری
فانیؔ مرے مسلک میں ممنوع ہے ہشیاری — احساس خطا کاری ہے راز خطا کاری
امید کے دم سے ہے بیمار کے دم تک ہے — ارباب تمنا پر احسان دل آزاری
آسان ہوئی منزل آثار مبارک ہوں — اب پاؤں نہیں اٹھتے اب راہ ہوئی بھاری
وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر توبہ — دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری
خوش ہوں کہ ترے غم میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں — جینا ہے ہوس کوشی مرنا ہے ریاکاری
تم سے مجھے امیدیں کیا عفو کے قابل ہیں — میں ہی تمھیں دیتا ہوں تکلیف ستمگاری
سرکار محبت سے فرمان سکوں آیا — گزری حد شورش سے جب شورش بیداری

فانیؔ مری وحشت نے پھر شکل بدل ڈالی
پھر بخیۂ دامن میں مصروف ہے بے کاری

(۳۱۱)

وقت اتنا کب بقدر فرصت یک سجدہ ہے — ہم ہیں اور عمر ابد اور حسرت یک سجدہ ہے

تیری بزم ناز میں اس دل کو دیکھا چاہیے
جو زسرتا پا خراب رخصت یک سجدہ ہے
وجہ پامالی ہی شاید عذر گستاخی بھی ہو
سنگ در اور سر میں باہم نسبت تیک سجدہ ہے
اصل خلقت ہے تعمیر جبیں سجدہ ریز
شان تکوین دو عالم دعوت یک سجدہ ہے
جاں فزا ہے شعلہ زار سوز فرقت کی بہار
اس جہنم کو میسر جنت یک سجدہ ہے

(۳۱۲)

گردش ایام فانیؔ شرح دور شام ہے
صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہے
عہد پاک عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی
آج اس دور ہوس میں عاشقی بدنام ہے
آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ
ہم ہیں تیری یاد ہے آگے خدا کا نام ہے
آنکھ پھر بھی منتظر ہے دل ہے پھر بھی مضطرب
خاص ہے تیری تمنا اور تماشا عام ہے
وعدۂ معلوم کا فانیؔ کہاں تک انتظار
زندگی کا موت سے پہلے بھی کچھ انجام ہے

(۳۱۳)

اُٹھا اے نگاہ شوق اُٹھ متاع جاں لیے ہوئے
وہ دامن نگاہ میں ہیں بجلیاں لیے ہوئے
فلک کی ساری پستیاں سپرد قلب خاک ہیں
زمیں کی ساری رفعتیں ہیں آسماں لیے ہوئے
حجاب روزگار میں جھلک ہے یاد یار کی
نشاط آشکار ہے غم نہاں لیے ہوئے
وصال ہو کہ ہجر ہو حیات ہو کہ موت ہو
ہر اعتبار عشق ہے پیغام جاں لیے ہوئے
بنائے غم کی خیر ہو کہ آج آہ واپسیں
چلی ہے دل کی وادیوں سے آندھیاں لیے ہوئے
نہ پوچھ عہد ہوش کو کہ دامنوں کی آڑ میں
پھرا کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لیے ہوئے
فنائے ذات نام ہے لطافت حیات کا
غبار راہ کارواں ہے کارواں لیے ہوئے
ترے کرم سے کیا سماں ہے عالم گناہ کا
سیاہیاں ابرار کی تجلیاں لیے ہوئے

وہی ہوں میں جو تو نہیں وہی ہے تو جو میں نہیں
ترا ہر ایک نام ہے مرا نشاں لیے ہوئے

دلیلِ فتحِ عاشقی نویدِ صد شکست ہے
امانت بہار ہے مری خزاں لیے ہوئے

۳۱۴

اے موت تجھ پہ عمرِ ابد کا مدار ہے
تو اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار ہے

عہدِ ازل پہ زندگیوں کا مدار ہے
عالم تمام غم کدۂ اعتبار ہے

ذرات چشمِ شوق ہیں آمادۂ نگاہ
محرومیوں کو اب بھی ترا انتظار ہے

بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں
یہ کیسے امتحانِ وفا ناگوار ہے

اک یہ وفا کہ ننگِ غمِ دوست ہے ہنوز
اک وہ ستم کہ حسن کا آئینہ دار ہے

تمیزِ حسن و عشق نہ عرفانِ غم مگر
اک تیر بے پناہ کلیجے کے پار ہے

دیکھیں خرامِ ناز کی محشر طرازیاں
ہر ذرے پر سکونِ فنا بے قرار ہے

مختار ہوں کہ معترفِ جبرِ دوست ہوں
مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہے

باقی نہیں کسی کو نشاطِ جنوں کا ہوش
کس جوش پر شبابِ غمِ روزگار ہے

آدابِ عاشقی کا تقاضا ہے اور بات
تو ورنہ دل کی آڑ میں خود بے قرار ہے

ہوگی کسی کو فرصتِ نظارۂ جمال
فانی خرابِ حسنِ تماشائے یار ہے

کیا جانیے کہاں تک تمہیدِ زندگی ہے
یہ زندگی تو اب تک امیدِ زندگی ہے

حرماں نصیب ہوں اور مجبورِ آرزو بھی
محرومِ زندگی کو تاکیدِ زندگی ہے

امیدِ مضطرب ہے ہر آرزو کی منزل
ہر سانس شامِ وعدہ تجارِ یا زندگی ہے

کچھ شرح بے خودی ہے کچھ ہوش کا فسانہ — یہ بے حسی جو شاید تنقید زندگی ہے
مرنے کی آرزو میں عمریں گزار دی ہیں — ارباب دل کی ہستی تقلید زندگی ہے
اسرار زندگی کو سمجھوں تو کیا سمجھ لوں — جس زندگی کو دیکھا تردید زندگی ہے

احساس زندگی ہے مرہون عشق فانیؔ
پیغام موت گویا تائید زندگی ہے

(۳۱۶)

مضمحل سعیِ چارہ گر نہ ہوئی — اور شفا قصہ مختصر نہ ہوئی
ترک تدبیر کو بھی دیکھ لیا — یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی
یوں ملی ہر نگاہ سے وہ نگاہ — ایک کی ایک کو خبر نہ ہوئی
اللہ اللہ یہ حسن پرسش حال — کہ مرے حال پر نظر نہ ہوئی
ہجر کے بھی ہزار پہلو تھے — یوں بھی اک وضع پر بسر نہ ہوئی
صبح ہوتی نہیں ہماری شام — ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی

آج تسکین درد دل فانیؔ
وہ بھی چاہا کیے مگر نہ ہوئی

(۳۱۷)

پا لیا ذوق طلب نے ماورائے دل مجھے — جب مجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے
یاد عہد بے خودی جب تو ہی تو تھا میں نہ تھا — وہ بھی دن تھے جب کوئی مشکل نہ تھی مشکل مجھے

فطرت غم رفتہ رفتہ میری فطرت بن گئی
اضطراب دل ہے فانیؔ اضطرار دل مجھے

۳۱۸

مجبور شکایت ہوں تاثیر کو کیا کہیے تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہیے

فردوس بداماں ہے ہر نقش خیال اُن کا یہ شان تصور ہے تصویر کو کیا کہیے

وابستۂ صد حسرت بے وابستۂ دل ہوں اپنا ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہیے

وہ برق کی یورش ہے ہر شاخ میں لرزش ہے ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہیے

سنتے ہیں حجاب ان کا عرفان تمنا ہے اب حرف تمنا کی تعبیر کو کیا کہیے

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانی
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

۳۱۹

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہے جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہے

مری ہر معصیت ہے مطلع انوار صد رحمت فضائے دل گناہوں سے منور ہوتی جاتی ہے

خدا چاہے تو اب ایماں پرستی کا رواج اٹھے وہ چشم سربسر تسخیر کافر ہوتی جاتی ہے

محبت کی خلش کا دیکھیے انجام کیا ٹھہرے تکلف بر طرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہے

زباں صرف دعائے مرگ ہے کوئی دعا مانگوں
مری تدبیر بھی میرا مقدر ہوتی جاتی ہے

۳۲۰

جبیں صرف سجود بے جبیں معلوم ہوتی ہے طبیعت بے نیاز کفر و دیں معلوم ہوتی ہے

نگاہ ناز و سوزِ عشق دونوں ایک ہیں لیکن کہیں ہوتی ہے یہ بجلی کہیں معلوم ہوتی ہے

مٹا ہی چاہتا ہے امتیاز صبر و بے تابی تمنا اب تمنا آفریں معلوم ہوتی ہے

نہیں معلوم راہِ شوق میں ہے بھی کوئی منزل
جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے

بحمد اللہ کہ تاثیرِ فغاں بر روئے کار آئی
کہ اب ہر آہ آہِ واپسیں معلوم ہوتی ہے

لہو روتا ہوں اس انجام سے غافل کی حالت پر
محبت جس کے دل میں جاگزیں معلوم ہوتی ہے

عجب عالم ہے موجِ برق کے پہلو میں بادل کا
تری اٹھی ہوئی سی آستیں معلوم ہوتی ہے

مری ہستی کہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے خدا رکھے
ترے پیمانِ باطل کا یقیں معلوم ہوتی ہے

زمینِ حشر فانیؔ کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی سی زمیں معلوم ہوتی ہے

۲۲۱

مجبوریٔ مشکور کی تصویر دکھا دے
اے دستِ کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے

حد کفرِ غمِ ہوش کی ایماں سے ملا دے
اس ہستیٔ موہوم کو توفیقِ فنا دے

آدابِ طلب سیکھ طلب بے ادبی ہے
مجرم ہے وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے

جو سوزِ محبت سے ہوا سرد وہ دل ہوں
وہ شمع ہوں جس کو پرِ پروانہ بجھا دے

نسبت کرم دوست سے آساں نہیں فانیؔ
ناکام تو ہے ذوقِ تمنا کو دعا دے

۲۲۲

دل معرفتِ شوق سے بیگانہ بنا دے
دیوانۂ ہشیار کو دیوانہ بنا دے

ہر جلوۂ محسوس کو مرہونِ نظر کر
اس بزم میں ہر شمع کو پروانہ بنا دے

پھر اک نگہِ مست کہ بے کیف ہے عالم
میخانہ بیک گردشِ پیمانہ بنا دے

آ اور دلِ برباد میں اک حشر بپا کر
جا اور دلِ آباد کو ویرانہ بنا دے

حیرت کدۂ ناز میں دل بھی ہے نظر بھی
اب دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے

یک رنگیٔ دل لازمِ صد رنگ جنوں کر
کعبہ کی بنا ڈال کے بت خانہ بنا دے

قربان تری شاہ حکیمانہ پہ ہر بات　　اب بات یہ انداز کرم یا نہ بنا دے
اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا　　وہ موج تبسم کہیں دریا نہ بنا دے
افسانۂ دل یوں کوئی سنتا نہیں فانی
اب موت کسی دن مجھے افسانہ بنا دے

(۳۲۳)

ادھر نہ دیکھ مجھے بے قرار رہنے دے　　مری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے
بقید حشر بھی عہد وفائے عہد نہ کر　　خراب شوق کو امیدوار رہنے دے
نوید زندگی دل کی تاب سہل نہیں　　ابھی کچھ اور مجھے سوگوار رہنے دے
یقین لطف میں گم کر نہ لذت بیداد
جو ہو سکے تو غم انتظار رہنے دے

(۳۲۴)

جینے کی ہے امید نہ مرنے کا یقیں ہے　　اب دل کا یہ عالم ہے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
گم ہیں رہ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی　　سجدہ ہی در یار ہے سجدہ ہی جبیں ہے
کچھ مظہر باطن ہوں تو کچھ محرم ظاہر　　میری ہی وہ ہستی ہے کہ ہے اور نہیں ہے
ایذا کے سوا لذت ایذا بھی ملے گی　　کیوں جلوہ گہ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہے
مایوس ہی حسرتِ موت ہوں فانی
کس منہ سے کہوں دل میں تمنا ہی نہیں ہے

(۳۲۵)

بے درد آنا نہ رہا مصرف زنداں کوئی　　دست وحشت میں ہے دامن نہ گریباں کوئی

یہ تو معلوم نہیں کیا ہے یہ دنیا لیکن — صرف صاد رقص ہے صورت کدۂ جاں کوئی
میری ویرانیٔ دل ہے کہیں رسوا کہیں راز — کوئی ذرّہ ہے یہاں اور نہ بیاباں کوئی
کون ہے میرے سوا فیض چمن سے محروم — گل بداماں ہے کوئی خار بداماں کوئی
ہائے اس بزم میں وہ شوق و تحیر کا ہجوم — دل بے تاب کوئی دیدۂ حیراں کوئی
تو بھی کر دے غلطی ہائے محبت کو معاف — آ کہ امید وفا پر ہے پشیماں کوئی
برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا — آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی
نہ ملی خلق سے مظلومیٔ دل کی کوئی داد — میری قسمت میں نہ تھا جور نمایاں کوئی
مجھ سے مطلب نہ سہی کاش میسر ہو تجھے — حسن تغیر بھی اے گردش دوراں کوئی

عمر سب نزع کے عالم ہی میں گزری فانی
زندگی کا نہ ہوا موت پہ احساں کوئی

(۳۲۶)

زندگی کی ہر خلش ہے، یاد جاناں کے لیے
ہر نفس اک آڑ ہے اس رنج پنہاں کے لیے
اشک رنگیں کے سوا ہے خونِ دل بھی نذرِ دست
ان میں جو درکار ہو، تزئین داماں کے لیے
موج کیا، گرداب کیسا، کیوں کسی کا نام لوں
خود سفینہ ہی مرا دعوت ہے طوفاں کے لیے
کم ہے ذرّے سے بھی یہ سارا نظام کائنات
دل کی وسعت چاہیے تھی چشم حیراں کے لیے
ایک مرگ عاشقی اور لاکھ سامانِ حیات
لاکھ غم تھے، اک جراحت مرگ ساماں کے لیے
پھر ہوا گور غریباں میں، بگولوں کا ہجوم
خاک دل اٹھتی ہے تنظیم بیاباں کے لیے

پھر مذاقِ اہلِ دانش، چاہتا ہے انقلاب
پھر مری وحشت نے، بوسے بابِ زنداں کے لیے

دل کی یہ شوریدگی، شب ہائے غم اتنی دراز
اہتمام اتنے، تری زلفِ پریشاں کے لیے

دین و دل، فانیؔ گنوائے بھی تو ناداں اس طرح
دشمنِ ایماں کی خاطر، دشمنِ جاں کے لیے

(۳۲۷)

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے
جی بہل جاتا کسی تدبیر سے

اب سے غم سہنے کی عادت ہی سہی
صلح کرلیں لاؤ چرخِ پیر سے

جبر کو کیوں کر نہ سمجھوں اختیار
تم نے باندھا ہے مجھے زنجیر سے

کام اب اُس تدبیر پر ہے منحصر
واسطہ جس کو نہ ہو تقدیر سے

اُس نگاہِ ناز کا اللہ رے فیض
نسبتیں ہیں زخم دل کو تیر سے

ہوشیار اے شوخ بے پروا خرام
بچ کے میری خاک دامن گیر سے

عشقِ فانیؔ اس پہ اپنی یہ بساط
کھیلتی ہیں بجلیاں تصویر سے

(۳۲۸)

جلوہ بے چشم آشنا کیا ہے
میں ہی میں ہوں مرے سوا کیا ہے

شغل ہے زندگی کی فرصت کا
اور مجبور کی دعا کیا ہے

تری تدبیر ہے مری تقدیر
ابتدا یہ ہے انتہا کیا ہے

حسن دیوانہ ساز کچھ نہ کہے
میں بتاؤں مجھے ہوا کیا ہے

دل سراپا نظر وہ حسن تمام
بند کر آنکھ دیکھتا کیا ہے

مدعا ہے کہ مدعا نہ کہوں
پوچھتے ہیں کہ مدعا کیا ہے

گلہ مندِ جفا تو ہو فانیؔ
یہ بھی معلوم ہے جفا کیا ہے

(۲۲۹)

تو ہی سفر میں ساتھ ہے تو ہی حضر میں پاس ہے
تو ہی جنوں کا آسرا تو ہی سکوں کی آس ہے
واہ رے شانِ یادِ ذات واہ رے اعتمادِ ذات
غم ہے نہ اب ملال ہے ڈر ہے نہ اب ہراس ہے
وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں
فہم کی انتہا ہے وہم عقل کی حد قیاس ہے
ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی اک آرزو کہ کاش
کوئی کہے کہ بزمِ ناز میں جو نہیں اداس ہے
چل تو رہے ہیں سب مگر ہے کوئی منزل آشنا
مدعیانِ آرزو دل بھی کسی کے پاس ہے
جو ہے شہیدِ انتظار جو ہے ترا امیدوار
زیست بھی اس کی زیست ہے موت بھی اس کو راس ہے
حسنِ ستم نواز کی ایک نگاہ غم نواز
اجرِ ہزار صبر ہے نازشِ صد سپاس ہے
ترکِ خودی ہے ہوشِ عشق درکِ خودی ہے جوشِ عشق
خود نشاس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے
فانی اس انقلاب سے وحشتِ عشق کی پناہ
آہ وہ بزمِ دل جو آج انجمن حواس ہے

(۲۳۰)

دیر میں یا حرم میں گزرے گی عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی

پھر امید کرم میں گزری عمر
پھر امید کرم میں گزرے گی

زندگی یاد دوست ہے یعنی
زندگی ہے تو غم میں گزرے گی

اب کرم کا یہ ماحصل ہے کہ عمر
یاد عہد ستم میں گزرے گی

دل کو شوق نشاط وصل نہ چھیڑ
غم میں گزری ہے غم میں گزرے گی

حسرت دم بدم میں گزری عمر
عبرت دم بدم میں گزرے گی

حشر کہتے ہیں جس کو اے فانیؔ
وہ گھڑی شرح غم میں گزرے گی

(۲۳۱)

ستم ایجاد رہو گے ستم ایجاد رہے
اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

آپ نے عہد کیا ہے مری غم خواری کا
اب اجازت ہو تو یہ عہد مجھے یاد رہے

گر مری توبہ کو مقبول شکست توبہ
میری تدبیر میں تقدیر کی افتاد رہے

قید ہستی سے بہت تم نے کیے ہیں آزاد
کوئی اس قید محبت کی بھی میعاد رہے

وہ خدائی ہو تو ہو شان تجلی تو نہیں
جس تجلی میں نگاہوں کو خدا یاد رہے

ظلم ہے تجھ سے بہ تقریب تکلف منسوب
ورنہ تقدیر وفا یہ ہے کہ برباد رہے

دل آباد کا فانیؔ کوئی مفہوم نہیں
ہاں مگر جس میں کوئی حسرت برباد رہے

(۲۳۲)

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
مگر اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

اثر عشق تغافل بھی ہے بیداد بھی ہے
وہی تقصیر ہے تعزیر بدل جاتی ہے

کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے
دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے

روز ہے درد محبت کا نرالا انداز
روز دل میں تری تصویر بدل جاتی ہے

گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اجالا ہی کچھ اور　　مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے

غم نصیبوں میں ہے فانیؔ غمِ دنیا ہو کہ عشق
دل کی تقدیر سے تدبیر بدل جاتی ہے

(۲۲۳)

تیرے غم میں تباہ ہوتی ہے　　زندگی رُو براہ ہوتی ہے
دل میں آ کر جو آہ ہوتی ہے　　سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
تجھ سے انکار بن نہیں پڑتا　　اپنی ہستی گواہ ہوتی ہے
طاقتِ ضبط کا سوال نہیں　　اب تو ہر سانس آہ ہوتی ہے

ہم کہاں اور نگاہِ شوق کہاں
وہ بھی تیری نگاہ ہوتی ہے

(۲۲۴)

لبیک کہا کس کو حیاتِ ابدی نے　　دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے
مجموعۂ آداب دو عالم ہے محبت　　مرنے کے سلیقے ہیں تو جینے کے قرینے
مرتے ہی بن آتی ہے نہ جیتے ہی بن آئی　　مارا مجھے قاتل کی مسیحا نفسی نے
پڑتا نہیں اس آئینہ میں عکس کوئی اور　　دل میں تری تصویر سی رکھ دی ہے کسی نے
آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ　　کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے
دو نام میں ہستی و فنا ایک ہی دل کے　　مارا ہے اسی دل نے جلایا ہے اسی نے

امید بھی کیا شے ہے کہ ہر سانس میں فانیؔ
کچھ زندگیٔ خضر کے پاتا ہوں قرینے

(۴۲۵)

دل جو عالم میں فرد رہتا ہے — نذرِ اربابِ درد رہتا ہے
جانے دل کے لہو پہ کیا گزری — رنگ اشکوں کا زرد رہتا ہے
سوزِ غم کی نہ پوچھ ضبط کو دیکھ — یہ جہنم بھی سرد رہتا ہے
مژدہ انجامِ غم کہ پہلو میں — دل بہ عنوانِ درد رہتا ہے

ذرّے ذرّے کے روپ میں فانیؔ
کوئی صحرا نورد رہتا ہے

(۴۲۶)

آہ اب تک تو بے اثر نہ ہوئی — کچھ تمھیں کو مری خبر نہ ہوئی
شام سے فکرِ صبح کیا شبِ ہجر — مر رہیں گے اگر سحر نہ ہوئی
کس سے دل کا سراغ پائیں گے ہم — تو ہی اے آرزو اگر نہ ہوئی
خلق سمجھی مجھی کو دیوانہ — چارہ فرمائے چارہ گر نہ ہوئی
کچھ نظر کہہ گئی زباں نہ کھلی — بات ان سے ہوئی مگر نہ ہوئی
شکوہ کیا ان سے خونِ ناحق کا — زندگی تھی ہوئی بسر نہ ہوئی

حشر کا دن بھی ڈھل گیا فانیؔ
دل کی روداد مختصر نہ ہوئی

(۴۲۷)

گلِ خزاں کے راز کا محرم نظر آیا مجھے
ہر تبسم پردہ دارِ غم نظر آیا مجھے

کس کو کہیے ماسوا جب تو نہیں تو کچھ نہیں
تو نظر آیا تو اک عالم نظر آیا مجھے

حد پہ جب پہنچی نظر حد نظر آگے بڑھی
جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے

نوحۂ تدبیر تھا تقدیر کا ایک ایک حرف
خط پیشانی صف ماتم نظر آیا مجھے

جو تجھے سمجھا اسے دنیا سمجھ سکتی نہیں
راز تھا جو، راز کا محرم نظر آیا مجھے

زخم کے مرہم بھی دیکھے، مرہم بے زخم بھی
زخم دل ہی زخم بے مرہم نظر آیا مجھے

میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبض کائنات
جب مزاج دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

(۴۴۸)

تھم تھم کے آ رہی ہیں دم نزع ہچکیاں
رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی

دشوار تو نہیں غم ہستی کا خاتمہ
ان کی خوشی نہیں ہے تو ان کی خوشی سہی

لے امتیاز جور ہی ہم نے اٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہے، تو اچھا یہی سہی

(۴۴۹)

جس سمت نگاہ یک نگر جائے   تو آئے نظر جدھر نظر جائے

اچھا ہے جو نالہ بے اثر جائے — کیوں میری بلا کسی کے سر جائے
ہاں ناخن غم کمی نہ کرنا — ڈرتا ہوں کہ زخم دل نہ بھر جائے
جیتے بھی ہیں تم پہ مرنے والے — غم زہر نہیں جو کام کر جائے
کر خوئے جفا نہ یک بیک ترک — کیا جانیے مجھ پہ کیا گزر جائے
اٹھ جائے جدھر نگاہ ساقی — نشتر رگ ہوش میں اتر جائے

فانی تو اور سکون کی امید
دل اور ترے جیتے جی ٹھہر جائے

(۳۴۰)

ادائیں آگئیں کوئے بتاں کی — زمیں تک ہے رسائی آسماں کی
زباں کٹتی ہے ذکر آشیاں پر — تمنا بھی بہت تھی آشیاں کی
امید مہر ہے ایمان اپنا — قسم ہے اس دلِ نامہرباں کی
یہ دل ہے یادگارِ ناوکِ ناز — نشانی ہے یہ زخم بے نشاں کی
نوید ربط ہے ہر جور لیکن — کہاں سے لاؤں طاقت امتحاں کی
مری تربت کے سناٹے میں اب تک — صدائیں گونجتی ہیں الاماں کی

حرم میں آہی نکلے ہیں تو فانی
یہ کیا کہیے کہ نیت تھی کہاں کی

(۳۴۱)

دوری ہی پھر اچھی تھی نزدیکیٔ منزل سے — کشتی کو ملا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے
شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر — آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے
ایمان محبت کی بجھتی نہیں چنگاری — اٹھتا ہے دھنواں اب تک نعش کے حرم دل سے
ہوتا انہیں اب ان کی محفل میں شمار اپنا — یوں بیٹھے ہیں ہم جیسے اٹھ سے گئے محفل سے

وہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں حجاب ان کا — محمل میں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے
تجھ کو یہ خبر ہوگی ہم کو تو نہ تھی ناصح — پہلی ہی نظر اٹھ کر پڑ جائے گی قاتل سے

غربت میں غنیمت ہے اتنا بھی نشاں فانیؔ
کچھ خاک کے ذرّے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

(۲۴۲)

کیا چاہتے ہو منھ سے اللہ بھی نہ نکلے — ارمانِ دل بقدرِ یک آہ بھی نہ نکلے
چاہوں بھی اور یہ ضد ہے چاہا انھیں کا چاہوں — دل سے دعا بھی نکلے دل خواہ بھی نہ نکلے
اللہ رے سخت جانی شب ہائے غم کے نالے — تاثیر کیا دکھاتے جاں کاہ بھی نہ نکلے
ہر راہ سے گزر کر دل کی طرف چلا ہوں — کیا ہو جو ان کے گھر کی یہ راہ بھی نہ نکلے
کیا وصف جور بھی ہے اب ناگوارِ خاطر — دل سے شکستِ دل پر اب واہ بھی نہ نکلے
شکوہ نہ کر فغاں کا وہ دن خدا نہ لائے — تیری جفا پہ دل سے جب آہ بھی نہ نکلے

اے جان و دل کے دشمن یہ کیا کہ جانِ فانیؔ
نکلے بھی اور دل کے ہمراہ بھی نہ نکلے

(۲۴۳)

گلچیں کے لیے اور نہ گلشن کے لیے ہے — جو گل ہے ترے گوشۂ دامن کے لیے ہے
تو اور وفا تجھ سے اور امیدِ نوازش — تو دوست کے بس کا ہے نہ دشمن کے لیے ہے
چل گورِ غریباں میں نہ اس خاک سے بچ کر — تیرے ہی جو سمٹے ہوئے دامن کے لیے ہے

مدفن جو سرِ رہ گزرِ دوست ہے فانیؔ
روز ایک قیامت مرے مدفن کے لیے ہے

(۳۴۴)

دم نزع آ دیکھ انجام فرقت — جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے
خدائی کے سر جھک گئے اُن کے در پر — یہ کافر ہیں کیا جانے کیا ہونے والے
کبھی تو مرے دردِ دل کی خبر لے — مرے درد سے آشنا ہونے والے
مجھے موت کا آسرا دے رہے ہیں — مری زیست کا مدعا ہونے والے
کوئی بے نیازی کی حد بندہ پرور
کسی کے ہو شاید خدا ہونے والے

(۳۴۵)

ہر بلائے شام فرقت دیکھ لی — ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی
پھر نہ اس دل کو ہوئی راحت نصیب — تو نے جس دل میں محبت دیکھ لی
ذوق نظارہ سلامت چاہیے — جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی
واہ ری رنگینیٔ بزم خیال — دل کے ہر گوشہ میں جنت دیکھ لی
آپ کے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانیؔ کی تربت دیکھ لی

(۳۴۶)

موت کی رسم نہ تھی ان کی ادا سے پہلے — زندگی درد بنا تی تھی دوا سے پہلے
کیوں رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسنِ قبول — بنا کر یا ب اثر میری دعا سے پہلے
کاٹ ہی دیں گے قیامت کا دن اک اور سہی — دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے
میری عادت ہے وفا ان پہ کچھ احسان نہیں — تھا مجھے ذوق وفا ان کی جفا سے پہلے

دو گھڑی کے لیے میزانِ عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

کچھ ادائیں ہیں جنھیں قتل عبث ہے منظور
کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے

تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے
وہ جو معصوم شرارت تھی حیا سے پہلے

ہائے ان کا مری میت پہ یہ عذر تاخیر
سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانیؔ
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

(۲۴۷)

وفا بیگانۂ رسم بیاں ہے
خموشی اہلِ دل کی داستاں ہے

مرا دل ہے کسی کی یاد کا نام
محبت میری ہستی کا نشاں ہے

تماشا چاہیے تاب نظر دے
نگاہ شوق ہے اور رائیگاں ہے

مسلّم پرسشِ بیمار لیکن
وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہے

ترا نقش قدم ہے ذرّہ ذرّہ
زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہے

بچے گی دل کی پامالی کہاں تک
تجلی کارواں در کارواں ہے

مجھی پر ہیں جفائیں چشم بد دور
خدا رکھے وہ مجھ پر مہرباں ہے

پھر اب منظور ہے ہنگامۂ برق
پھر اب قصدِ بنائے آشیاں ہے

وہ دل کی آڑ میں رہتے ہیں فانیؔ
تمنا میرے ان کے درمیاں ہے

(۲۴۸)

وہ میری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے
مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے

یہ دل حریفِ تجلی ہی کیوں بنایا تھا
کہ جب یہ نقش دو دن بن گیا مٹا کے چلے

ادائے دعوتِ نظارہ دیدنی ہے کہ وہ
مری نگاہ سے نظریں بچا بچا کے چلے

مگر نمودِ مشیت وجود تھا اپنا — رضائے دوست کو ہم آئینہ دکھا کے چلے
بلاکشوں کا تمھاری بلا کرے ماتم — جو غم اٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے
کرم کیا تو باندازۂ تبسمِ برق — وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آ کے چلے
یہ لطفِ عام ہے فانیؔ پہ کچھ نہیں موقوف
جدھر حضور گئے بجلیاں گرا کے چلے

(۳۴۹)

قہر کی جو نگاہ تھی خنجرِ بے پناہ تھی — دردِ جگر کی ہر دوا دردِ مآل ہو گئی
موت فراقِ یار میں درپئے انقلاب ہے — نیند جو کل حرام تھی آج حلال ہو گئی
فرصتِ یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے وصل — کیوں دلِ قدر ناشناس اب یہ مجال ہو گئی
میری وفا جفا فروش گریہ تبسم آفریں — عشق کی ساری کائنات صرفِ جمال ہو گئی
حسن کی وہ لطافتیں عشق کی وہ نزاکتیں
ہائے وہ زندگی جو اب خواب و خیال ہو گئی

(۳۵۰)

راز تھے میرے زخم ہائے جگر — تو ذرا تم نے سی دیے ہوتے
ضبط کا حوصلہ نکل جاتا — کچھ ستم اور بھی کیے ہوتے
زندگی بے دلوں پہ تہمت تھی — مر نہ جاتے اگر جیے ہوتے
کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیاد — چار تنکے ہی رکھ دیے ہوتے
گل دیے تھے تو کاش فصلِ بہار — تو نے کانٹے بھی چن لیے ہوتے
تھے پھر ان کے دیے ہوئے فانیؔ
اور صدمے اٹھا لیے ہوتے

(٣٥١)

سوال دید پہ تیوری چڑھائی جاتی ہے — جمالِ دید پہ بجلی گرائی جاتی ہے
خدا بخیر کرے ضبطِ شوق کا انجام — نقاب میری نظر سے اٹھائی جاتی ہے
اسی کو جلوۂ ایمان عشق کہتے ہیں — ہجومِ یاس میں بھی آس پائی جاتی ہے
اب آگئے ہو تو اور اک ذرا ٹھہر جاؤ — ابھی ابھی مری میت اٹھائی جاتی ہے

مرے قیاس کو اپنی تلاش میں کھو کر
مرے حواس کو دنیا دکھائی جاتی ہے

(٣٥٢)

چونک پڑتے ہیں ذکرِ فانیؔ سے — نیند اچٹتی ہے اس کہانی سے
تیری نامہربانیوں کی قسم — لاگ ہے دل کو مہربانی سے
ہم نے اپنا سراغ پا ہی لیا — آپ کی شان بے نشانی سے
حشر کو بھی ہے دُور کی نسبت — چشمِ بد دُور اس جوانی سے
مژدۂ مرگِ ناگہاں کی پناہ — فتنۂ عمرِ جاودانی سے
کاش میری زبان سے سنتے — اب جو سنتے ہو بے زبانی سے

کچھ خبر بھی ہے روٹھنے والے
زندگی روٹھتی ہے فانیؔ سے

(٣٥٣)

عرصۂ حشر دُور ہے خاکِ دلِ حزیں سہی — مشقِ خرامِ ناز کر واں نہ سہی یہیں سہی
سر نہیں سنگِ در تو ہے ترک نہ کر نمازِ عشق — خاکِ جبیں سے کام لے سجدۂ بے جبیں سہی

ہے ترے تیرِ ناز کے رُخ پہ نشانہ منحصر — دل ہو جگر ہو کوئی ہو تیر لگا کہیں سہی
اے دمِ واپسیں ٹھہر، دردِ فراق المدد — ایک ہی آج اشکِ غم حاصلِ آستیں سہی
میں ہوں رہینِ انتظار آیئے یا نہ آیئے — اپنے یقین کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی
سن تو لیا ہے حالِ دل دیکھیے سن کے کیا کہیں — پھر مرے منہ کی بات ہے کیسی ہی دل نشیں سہی

فانیٔ زار پر کرم تیری رضا کے ہے سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

۳۵۴

درد کی دنیا بدل جانے کو ہے — دم محبت میں نکل جانے کو ہے
پھر ترا غم کار فرما چاہیے — پھر طبیعت کچھ سنبھل جانے کو ہے
مختصر کرتا ہوں اب روداد شوق — آفتابِ حشر ڈھل جانے کو ہے
کیا تری چشمِ فسوں گر کہہ گئی — پھر مری حسرت مچل جانے کو ہے

فانیؔ اسرارِ غمِ فردا نہ پوچھ
وعدۂ فردا بھی ٹل جانے کو ہے

۳۵۵

بے ذوقِ نظر بزمِ تماشا نہ رہے گی — منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی
ایذا نہ رہے گی جو گوارا نہ رہے گی — چھوڑا مجھے دنیا نے تو دنیا نہ رہے گی
دل لے کے یہ کیا ضد ہے کہ اب جان بھی کیوں ہو — یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی
یہ دردِ محبت غمِ دنیا تو نہیں ہے — اب موت بھی جینے کا سہارا نہ رہے گی

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانیؔ
جس دن مجھے مرنے کی تمنا نہ رہے گی

(۲۵۶)

کم دردِ جگر ہے یا بہت ہے　　جو آپ سے مل گیا بہت ہے
پچھتائیں گے آپ دل کو لے کر　　کم بخت غم آشنا بہت ہے
تکلیف جفا بھی کیوں کریں آپ　　احسان غم وفا بہت ہے
کیا چاہیے اور زندگی کو　　مر رہنے کا آسرا بہت ہے
فانیؔ غمِ ناخدا نہ کرنا
کشتی کو تری خدا بہت ہے

(۲۵۷)

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی　　دل کی بستی خراب ہو کے رہی
عشق کا نام کیوں کریں بدنام　　زندگی تھی عذاب ہو کے رہی
نگہِ شوق کا مآل نہ پوچھ　　سربسر اضطراب ہو کے رہی
تم نے دیکھا کہ مرگِ مظلومی　　جان صد انقلاب ہو کے رہی
چشمِ ساقی کہ تھی کبھی مخمور　　خود ہی آخر شراب ہو کے رہی
تابِ نظارہ لا سکا نہ کوئی　　بے حجابی حجاب ہو کے رہی
حشر کے دن کسی کی ہر بیداد　　کرم بے حساب ہو کے رہی
سامنے دل کا آئینہ رکھ کر　　ہر ادا لاجواب ہو کے رہی
ہم سے فانیؔ نہ چھپ سکا غمِ دوست
آرزو بے نقاب ہو کے رہی

(۲۵۸)

تہِ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے　　مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزم زنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رُخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے

تو کہاں ہے کہ تیری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

تیرا انعام سمجھتا ہوں ان ارمانوں کو
میری کوشش کا جو حاصل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانؔی
آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

(۲۵۹)

موت بھی فرقت میں ٹل کر رہ گئی
آخری صورت نکل کر رہ گئی

اہلِ دُنیا حشر جس کو کہہ اُٹھے
وہ نظر کیا چال چل کر رہ گئی

جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ
طُور پر اک شمع جل کر رہ گئی

زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت
زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی

لب رہے نا آشنائے دردِ دل
آہ بھی دل سے نکل کر رہ گئی

چھن لیا تیری محبت نے مجھے
اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی

اب کہاں فانیؔ وہ جوشِ اضطراب
کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی

(۲۶۰)

ہر گھڑی انقلاب میں گزری
زندگی کس عذاب میں گزری

شوخی تھا مانعِ تجلّیٔ دوست
ان کی شوخی حجاب میں گزری

کرم بے حساب چاہا تھا
ستم بے حساب میں گزری

ورنہ دشوار تھا سکون حیات — خیر سے اضطراب میں گزری
رازِ ہستی کی جستجو میں رہے — خواب تعبیر خواب میں گزری
کچھ کٹی ہمت سوال میں عمر — کچھ امید جواب میں گزری

کس خرابی سے زندگی فانیؔ
اس جہان خراب میں گزری

(۳۶۱)

آیا ہوں حشر میں دل شیدا لیے ہوئے — آشوب صد جہاں تمنا لیے ہوئے
ہنگام نزع راہ تری دیکھتا ہوں میں — آنکھوں میں زندگی کا تقاضا لیے ہوئے
دیکھی ہیں ہم نے گور غریباں کی آڑ میں — آبادیاں خرابی صحرا لیے ہوئے
دیکھا نہ اہل دل نے کسی دن اٹھا کے آنکھ — دنیا گزر گئی غم دنیا لیے ہوئے
ہر آئینہ ہے دعوتِ سعی نظر مجھے — ہر سعی اعتبار تماشا لیے ہوئے
اٹھنا وہ تیرے در سے کسی نامراد کا — اک آہ زیر لب کا سہارا لیے ہوئے

فانیؔ مری لحد پہ وہ آئے تو کس طرح
کچھ تیوروں میں شکوۂ بیجا لیے ہوئے

(۳۶۲)

آپ کی آرزو کیے ہی بنی — دل کو آخر لہو کیے ہی بنی
فاش ہوتا نہ راز غم کب تک — دل سے کچھ گفتگو کیے ہی بنی
ہم بھی جینے کی تاب لا نہ سکے — موت کی آرزو کیے ہی بنی
سجدۂ شکر درد واجب تھا — خون دل سے وضو کیے ہی بنی
حسن بیتابِ خود نمائی تھا — دل ہمیں روبرو کیے ہی بنی
چاک دامن کے مشغلے کے لیے — چاک دامن رفو کیے ہی بنی

کھو گئے ہم کچھ اس طرح فانیؔ
کہ انھیں جستجو کیے ہی بنی

۳۶۳

ہم موت بھی آئے تو مسرور نہیں ہوتے — مجبورِ غم اتنے بھی مجبور نہیں ہوتے
دل ہی میں نہیں رہتے آنکھوں میں بھی رہتے ہو — تم دور بھی رہتے ہو تو دور نہیں ہوتے
پڑتی ہیں ابھی دل پر شرمائی ہوئی نظریں — جو وار وہ کرتے ہیں بھرپور نہیں ہوتے
امید کے وعدوں سے جی کچھ تو بہلتا تھا — اب یہ بھی ترے غم کو منظور نہیں ہوتے
اربابِ محبت پر تم ظلم کے بانی ہو — یہ ورنہ محبت کے دستور نہیں ہوتے
کونین پہ بھاری ہے اللہ رے غرور اُن کا — اتنے بھی ادا والے مغرور نہیں ہوتے

ہے عشق ترا فانیؔ تشہیر بھی شہرت بھی
رسوائے محبت یوں مشہور نہیں ہوتے

۳۶۴

اُٹھ چلے ہم تو اُن کی محفل تک — پھر ہماری خبر ہی جائے گی
اب یہی اپنی زندگی ہے تو خیر — زندگی بھی گزر ہی جائے گی

آہ پھر آہ ہے رسا نہ سہی
کچھ تو دل میں اُتر ہی جائے گی

۳۶۵

کہتے ہیں ذرا پھر سے افسانۂ غم کہیے — اس حُسنِ تجاہل کو کس طرح کرم کہیے
غم اس کی امانت ہے انعامِ محبت ہے — بیگانگیٔ غم کو محرومیٔ غم کہیے

تھوڑی بھی بہت ہوگی فرصت ہی میں سُن لینا
یہ دل کی کہانی ہے کیا کہیے جو کم کہیے

(۳۶۶)

قصۂ زیست مختصر کرتے — کچھ تو اپنی سی چارہ گر کرتے
موت کی نیند سو گئے بیمار — روز کس شام کو سحر کرتے
سچ ہے ہر نالہ کیوں رسا ہوتا — میرے نالے تھے کیوں اثر کرتے
خود وفا کیا وفا کا بدلہ کیا — لطف احسان تھا اگر کرتے
کر لیا تیرے نام پر سجدہ — اب کہاں قصدِ سنگ در کرتے
آس ہوتی تو اس سہارے پر — صبر ممکن نہ تھا مگر کرتے
کاش آئینہ ہاتھ سے رکھ کر — تم مرے حال پر نظر کرتے
طولِ روداد غم معاذاللہ — عمر گزری ہے مختصر کرتے

غم نے مہلت نہ دی کہ ہم فانیؔ
اور کچھ دن ابھی بسر کرتے

(۳۶۷)

آٹھ پہر کی یہ بے چینی یہ بے تابی کیا کہئیے
حد سے گزری دل کی خرابی دل کی خرابی کیا کہئیے
تم کیا جانو کیا شے ہے طوفان سرشک خونیں کا
تم نے چھلکتے ہی نہیں دیکھی دل کی گلابی کیا کہئیے
ہائے وہ پہلی نظروں میں ہر موج کا ساحل بن جانا
بحرِ بے پایاں محبت کی پایابی کیا کہئیے
اگلے برس کے پھولوں کا کیا حشر انھیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرزِ تبسم یہ شادابی کیا کہئیے

ہوش جنھیں دل بن کر آیا اُن کی تڑپ کا کیا کہنا
غم نے جنھیں پیدا کیا ان کی بے خوابی کیا کہیئے

کتنے فتنے جمع کیے ہیں ان کی ایک جوانی نے
چال قیامت کافر نظریں آنکھ شرابی کیا کہیئے

خاک وطن ہی راس نہ آئی غربت تو پھر غربت ہے
فانیؔ اپنی خانہ بدوشی خانہ خرابی کیا کہیئے

(۳۶۸)

کچھ ہوش گنوانے کے چرچے کچھ ہوش میں پھر آجانے کے
یہ دونوں عالم کچھ بھی نہیں ٹکڑے ہیں مرے افسانے کے

کچھ حیرت کے آثار سے ہیں کچھ دل سا ٹھیرا جاتا ہے
وحشت سے گزرتے جاتے ہیں انداز ترے دیوانے کے

دل کی جو حقیقت ہے کیا کہیئے حسن بھی دل ہے عشق بھی دل
ہر شمع جلائی جاتی ہے پردے میں کسی پروانے کے

بیداد پہ کہیئے اُف نہ کریں کہیئے تو تڑپ کر دم دے دیں
کچھ شغل ہمیں بھی آتے ہیں سرکار کا دل بہلانے کے

اک جادہ ہے غم دنیا کا اک راہ محبت ہے فانیؔ
ہر آفت کو دو رستے ہیں اور وہ بھی مرے غم خانے کے

(۳۶۹)

عہد جوانی اور پھر دل میں ان کی محبت کیا کہیئے
دیوانے کا خواب اور وہ بھی خواب قیامت کیا کہیئے

حرف تمنا بے معنی سا نقش وفا سو دھندلا سا
دل کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے دل کی حقیقت کیا کہیئے

حشر بھی گزرا حشر میں بھی یہ سوچ کے ہم نے کچھ نہ کہا
غم کی حکایت کون سنے گا غم کی حکایت کیا کہیئے
وہ نہ سہی مغرور مگر کچھ ہمت عرض حال تو ہو
شکر کیے بھی بن نہیں پڑتا حرف شکایت کیا کہیئے
ایک غلط انداز نظر سے دل کی تباہی سہل نہ تھی
درد سے مل کر تو نے لٹا دی صبر کی دولت کیا کہیئے
مرگ محبت سے فانیؔ تکمیل وفا ہم کیا کرتے
ہم نے جینے ہی سے نہ پائی اب تک فرصت کیا کہیئے

(۲۷۰)

کچھ بس ہی نہ تھا ورنہ یہ الزام نہ لیتے
ہم تجھ سے بھی چھپا کر بھی ترا نام نہ لیتے
نظریں نہ بچا نا تھیں نظر مجھ سے ملا کر
پیغام نہ دینا تھا تو پیغام نہ لیتے
کیا عمر میں اک آہ بھی بخشی نہیں جاتی
اک سانس بھی کیا آپ کے ناکام نہ لیتے
اب مئے میں نہ وہ کیف نہ اب جام میں وہ بات
اے کاش ترے ہاتھ سے ہم جام نہ لیتے
قابو ہی غم عشق پہ چلتا نہیں ورنہ
احسان غم گردش ایام نہ لیتے
ہم میں وہ بلا دوست کہ گلشن کا تو کیا ذکر
جنت بھی بجائے قفس و دام نہ لیتے
خاموش بھی رہتے تو شکایت ہی ٹھہرتی
دل دے کے کہاں تک کوئی الزام نہ لیتے
اللہ رے مرے دل کی نزاکت کا تقاضا
تاثیر محبت سے بھی ہم کام نہ لیتے
تیری ہی رضا اور تھی ورنہ ترے بسمل
تلوار کے سائے میں بھی آرام نہ لیتے
اک جبر ہے یہ زندگی عشق کہ فانیؔ
ہم مفت بھی یہ عیش غم انجام نہ لیتے

(۲۷۱)

بیداد کے خوگر تھے فریاد تو کیا کرتے
کرتے تو ہم اپنا ہی کچھ تم سے گلا کرتے

تقدیر محبت تھی مر مر کے جیے جانا　　جینا ہی مقدر تھا ہم مر کے بھی کیا کرتے
مہلت نہ ملی غم سے اتنی بھی کہ حال اپنا　　ہم آپ کہا کرتے اور آپ سنا کرتے
نادم اُسے چاہا تھا جان اسی پہ فدا کر کے　　تدبیر تو اچھی تھی تقدیر کو کیا کرتے
احباب سے کیا کہیئے اتنا نہ ہوا فانی
جب ذکر مرا آتا مرنے کی دعا کرتے

(۳۷۲)

اس کشمکش ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیئے تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی
اللہ رے سکون قلب اُس کا دل جس نے لاکھوں توڑ دیے
جس زلف نے دنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی
غم راز ہے اُن کی تجلی کا جو عالم بن کر عام ہوا
دل نام ہے اُن کی تجلی کا جو راز ہی عالم نہ ہوئی
دل کی یہ ویرانی بھی عجب ہے وہ بھی آخر کیا کرتے
جب دل میں اُن کے رہتے بستے بھی ویرانی کم نہ ہوئی
انسان کی ساری ہستی کا مقصود ہے فانی ایک نظر
یعنی وہ نظر جو دل میں اُتر کر زخم بنی مرہم نہ ہوئی

(۳۷۳)

جب پرسش حال وہ فرماتے ہیں جانیے کیا ہو جاتا ہے
کچھ یوں بھی زباں نہیں کھلتی کچھ درد سوا ہو جاتا ہے
اب خیر سے ان کی بزم کا اتنا رنگ تو بدلا میرے بعد
جب نام مرا آجاتا ہے کچھ ذکر وفا ہو جاتا ہے

یکتائے زمانہ ہونے پر صاحب یہ غرورِ خدائی کا
سب کچھ ہو مگر خاکم بدہن کیا کوئی خدا ہوجاتا ہے
قطرہ قطرہ رہتا ہے دریا سے جدا رہ سکنے تک
جو تابِ جدائی لا نہ سکے وہ قطرہ فنا ہوجاتا ہے
پھر دل سے فانیؔ سارے کے سارے نقش جفا مٹ جاتے ہیں
جس وقت وہ ظالم سامنے آکر جانِ حیا ہوجاتا ہے

(۳۷۴)

نظر کے سامنے دل میں سما کے آئے تھے
وہ آپ اپنے تصور میں آ کے آئے تھے
گداز عشق سے پہلے عطا ہوا تھا مجھے
وہ شمع بزم محبت جلا کے آئے تھے
انھیں ان ہی کی نگاہوں سے میں نے دیکھ لیا
مری نگاہ کا پردہ اُٹھا کے آئے تھے
تمام عالم ہستی بنا گئے دل کو
تمام عالم ہستی پہ چھا کے آئے تھے
مجال دید ہی فانیؔ نہ تھی وہ آئے تو کیا
کسی پہ برق تجلّی گرا کے آئے تھے

(۳۷۵)

وعدہ پھر اب کے بار کر کے چلے
پھر تم امیدوار کر کے چلے
دل کو کس دن قرار آیا تھا
تم کسے بے قرار کر کے چلے
دردِ دل کو جگانے آئے تھے
درد کو ہوشیار کر کے چلے
اُٹھ رہا حشر پر ترا دیدار
لے ترا اعتبار کر کے چلے
دل پہ کچھ اختیار تھا فانیؔ
دل کو بے اختیار کر کے چلے

(۲۷۶)

تو یہ نہ کرو ستم سے پہلے
اتنا تو کرو کرم سے پہلے

اچھا کوئی عذر بھی نہ سننا
کچھ منھ سے تو کہیے ہم سے پہلے

تیری ہی خوشی ہے آج غم بھی
تیری ہی خوشی تھی غم سے پہلے

کچھ اور حسین ہو گئے آپ
یہ بات نہ تھی ستم سے پہلے

مشکل ہے کہ وعدہ اب وفا ہو
کچھ کہہ کے رکے قسم سے پہلے

منزل پہ ٹھہر گیا ہوں تھک کر
بت خانہ پڑا حرم سے پہلے

فانیؔ غم روزگار کب تک
کچھ فکر عدم عدم سے پہلے

(۲۷۷)

گردشیں جام و سبو کرتے رہے
رند مشق ہائے و ہو کرتے رہے

اُن کی آواز آ رہی تھی دل کے پاس
دیر تک کچھ گفتگو کرتے رہے

روز بڑھتی ہی رہی اک آرزو
روز ترک آرزو کرتے رہے

یہ بھی وحشت تھی کہ دامن کر کے چاک
ہم تکلف سے رفو کرتے رہے

دل میں وہ رہتے تھے فانیؔ اور ہم
جستجو سی جستجو کرتے رہے

(۲۷۸)

قسم نہ کھاؤ تغافل سے باز آنے کی
کہ دل میں اب نہیں طاقت ستائے جانے کی

ہماری موت نے کچھ مختصر کیا ورنہ
کچھ انتہا ہی نہ تھی عشق کے فسانے کی

گری نہ برق کچھ اس خوف سے مرے ہوتے
تڑپ کے آگ بجھا دوں نہ آشیانے کی

تمہارا درد تو درماں بنا لیا ہم نے
اب اور سوچیے تدبیر دل دکھانے کی

زمانہ کفر محبت سے کر چکا تھا گریز
تری نظر نے پلٹ دی ہوا زمانے کی

پلٹ پلٹ کے قفس ہی کی سمت جاتا ہوں
کسی نے راہ بتائی نہ آشیانے کی

نجات دی غم دنیا سے درد دل نے مجھے
یہ ایک راہ ملی غم سے چھوٹ جانے کی

وہ صبح عید کا منظر ترے تصور میں
وہ دل میں آکے ادا تیرے مسکرانے کی

بتا رہا ہے ہر انداز خاکِ فانی کا
یہ خاک ہے اسی کافر کے آستانے کی

۳۷۹

ظلم اور بھی اے فلک رہا ہے کوئی
پھر ظلم کی راہ تک رہا ہے کوئی

معلوم نہیں کیا ہے محبت لیکن
کانٹا دل میں کھٹک رہا ہے کوئی

اس وعدہ فراموش سے یہ کون کہے
کب سے تری راہ تک رہا ہے کوئی

کیا حوصلہ آزما ہے طوفانِ حیات
بڑھتا ہے کوئی جھجک رہا ہے کوئی

کتنی تری جستجو کی لذت ہے عزیز
رستہ پا کر بھٹک رہا ہے کوئی

ٹھہرا ہے یہ اب ذکرِ وفا کا مفہوم
کچھ جوش جنوں میں بک رہا ہے کوئی

مےخانۂ عالم میں ہے ہلچل فانی
پیمانہ مگر چھلک رہا ہے کوئی

۳۸۰

نظر آج ان سے رہ گئی مل کے
آخری کچھ پیام تھے دل کے

تو نے دیکھے ہیں اے نسیم سحر
کچھ فدائی تھے شمع محفل کے

خلشیں تھیں ہمارے دم کے ساتھ
آج کانٹے نکل گئے دل کے

پھول کو پھول جاننے والے — کل یہ چھینٹے تھے خون بسمل کے
تیز تر جادۂ وفا سے گزر — مٹ رہے ہیں نشان منزل کے
مل بھی جاتے ہیں چھوٹنے والے — چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی مل کے
خاک ہے تو اسی گلی کی خاک — اللہ اللہ یہ حوصلے دل کے
ان کی نظریں ہی کچھ کہیں تو کہیں — ان کی نظروں نے کیا کیا مل کے

مرگ فانی میں اب تو دیر نہ کر
سہل فرمانے والے مشکل کے

(۳۸۱)

دل کو نہ کیوں کہوں جو ازل سے خراب ہے — یہ کیوں کہوں کہ ان کی تمنا عذاب ہے
یہ اس نگاہِ ہوش ربا کی خطا نہیں — دنیا بقدرِ ذوقِ خرابی خراب ہے
اب کیا کہیں کہ شکوۂ بے داد دوست کا — ہلکی سی ایک موجِ تبسم جواب ہے
کچھ اضطرابِ شوق کی لذت نہ پوچھیے — کہنے کو اضطراب فقط اضطراب ہے
میری نظر بھی اب مجھے پہچانتی نہیں — دل کا بھی انقلاب، عجب انقلاب ہے
جب تو یہ تھا کہ ہے وہ تجلی حجاب میں — اب کچھ نہیں تو ان کی تجلی حجاب ہے

فانی خیالِ دوست سے پیدا ہے شانِ دوست
دل کا یہ فیض ہے کہ نظر کامیاب ہے

(۳۸۲)

ساقی یہ ابھی حاصل مے خانہ نہیں ہے — پیمانہ بہ اندازۂ پیمانہ نہیں ہے
تم سے بھی ہو آگاہ پھر اپنی بھی خبر ہو — دیوانہ تمھارا کوئی دیوانہ نہیں ہے
جل جانے کے انداز کوئی شمع سے سیکھے — پروانہ ہے اور کہنے کو پروانہ نہیں ہے
کہتے ہو کہ دلچسپ ہے روداد محبت — افسانہ سمجھتے ہو، یہ افسانہ نہیں ہے

کیوں آئے یہاں کوئی تمنا ترے ہوتے — یہ کعبۂ دل ہے کوئی بت خانہ نہیں ہے

اجڑا ہے تو اب یہ کبھی آباد نہ ہوگا — میرا دل برباد ہے ویرانہ نہیں ہے

رونے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں فانیؔ
یہ ان کی گلی ہے ترا غم خانہ نہیں ہے

(۳۸۳)

رازِ ہر جلوہ نہاں سازِ انا ساز میں ہے — حسن نظارہ ابھی پردۂ آواز میں ہے

صفتِ پروانہ ہے تعلیم تماشائے جمال — طلب شمع تری انجمنِ ناز میں ہے

میری ہر بات ہے گویا تری ہستی کا سراغ — تیری تصویر کا خاکہ مری آواز میں ہے

تھی قفس میں بھی کبھی رخصتِ پرواز کی شان — اب اسیری کی ادا رخصتِ پرواز میں ہے

نگہ لطف میں وہ بات کہاں ہے توبہ — عجب انداز نگاہِ غلط انداز میں ہے

ایک دن مٹ کے رہے ظلمتِ ہستی فانیؔ
نور اسرارِ فنا فطرتِ پرواز میں ہے[1]

---

[1] فانی بدایونی۔ شخصیت اور شاعری بحوالہ ماہنامہ دستور

فردیات

نہ آؤ سامنے لیکن تصور میں تو آؤ گے
یہ آنکھوں کا ہے پردا، دل سے پردا ہو نہیں سکتا

ساقی اسی میں ڈال دے سب میکدے کے خم
آیا ہے آج ہاتھ میں ساغر شراب کا
لالے پہ جھک پڑی ہے گل یاسمیں کی شاخ
یا دست نازنیں میں ہے ساغر شراب کا

ہے شان عبودیت مصروف دعا ہونا
منظور مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
بنیاد جہاں کیا ہے مجبور فنا ہونا
سرمایہ ہستی ہے محروم بقا ہونا

آپ کا حسن کہ پردے میں بھی عالم گیر
آپ کا عشق کہ پنہاں بھی نہ تھا راز بھی تھا

بیمار ترے جی سے گزر جائیں تو اچھا
جیتے ہیں نہ مرتے ہیں یہ مر جائیں تو اچھا

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہو گیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہو گیا

کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار
مجھ سے اظہار مدعا نہ ہوا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں
آسمان آج زیر پا نہ ہوا

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی، ایمان گیا

دل ہی پھر تیر ہے جو دل میں نہیں　　تیر ان کا خطا نہیں ہوتا
دل برباد کیا ہوا آخر　　کوئی ذرہ فنا نہیں ہوتا

وہ میری عیادت کو آئے ہیں دم آخر　　ہاں اور ابھی دم بھر اے عمر وفا کرنا

حشر میں آؤ تو دو ہو جائیں باہم آفتاب　　اک سوا نیزے پہ ہو اک قدِ آدم آفتاب

وہ سخت جاں ہیں ہم کہ شب غم بھی کاٹ دی　　فانیؔ ہمیں تو موت نہ آئی تمام رات

یا ذرا فکر دوا سے اے طبیب　　ہے علاجِ دردِ بے درماں عبث
اب یہ حالت ہے ترے بیمار کی　　یا حبث گریاں ہے یا خنداں عبث

اے شبِ وصل کوئی دم تو ٹھہر	عمرِ دو روزہ کا شباب ہے آج

اے فانیٔ سخت جاں مبارک	تلواروں کی دیکھ بھال ہے آج

نفرت ہے ان کو حسرت وارمان کے ذکر سے
ان کو نہیں پسند دلِ آرزو پسند
دل اس کو دے دیا ہے جو دشمن ہے جان کا
اس دوست پر فدا ہوں جسے ہے عدو پسند

جاں فدا کرنا ہے کیا مشکل اگر	ہو قبولِ خاطرِ مشکل پسند

جی گیا دیکھ کے ان ہاتھوں کا لکھا کاغذ	کر گیا حق میں مرے کارِ مسیحا کاغذ

پھر زندہ ایک جنبشِ لب نے کیا مجھے	قربان معجزے، لبِ معجز نظام پر
شامِ وصال، شامِ حظِ یار، شامِ زلف	کیجیے فدا ہزار سحر ایسی شام پر

کیوں نہ دل زار کو ہو ترا پیکان عزیز	رسمِ جہاں ہے یہی، خاطرِ مہمان عزیز

جو دل غنی ہے تو فانی غنی ہے مفلس بھی	نہیں گدا کو میسر وہ کیا ہے شاہ کے پاس

گل تر، سرو رواں، نرگس شہلائے چمن	صدقے آنکھوں کے، فدا قد پہ، نثار عارض

جب یہ کہا کہ بے وفا، کیا نہیں تجھ پہ میں فدا	کیا ہے یہ ماجرا غلط، کہنے لگے کہ ہاں غلط
شکوۂ ظلم افترا، حالِ شبِ فراق جھوٹ	نالۂ غم فزا دروغ، آہ شرر فشاں غلط

ہے سوزِ غم، ہجومِ تمنائیں اس طرح　　جیسے کہ جل رہی ہو کسی انجمن میں شمع

پھاڑ کر فانی گریبانِ لحد　　ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

وہ آتے ہیں یہاں اے آخری دم　　وفا کر ہو سکے تجھ سے جہاں تک
یہ رونا رات دن، یہ غم میں گھلنا　　کہاں تک فانیٔ محزوں، کہاں تک

جو اٹھا تو میٹھا سا اٹھتا ہے درد　　ابھی عشق اپنا جماتا ہے رنگ

یہ دل ہے کیا جو دے مجھے پروردگار دل　　دل مانگنے پہ آپ کے قرباں ہزار دل

وہ کر کے قتل مجھے یوں جتا گیے احساں　　کہ تیری خاک ٹھکانے لگائے دیتے ہیں

نگہِ ناز کو گھونگٹ ہی کے اندر رکھیے　　گھر میں رہتے نہیں جب پاؤں نکل جاتے ہیں

دونوں فتنے ہیں عشق اور محشر　　ایک دنیا میں ایک عقبیٰ میں

میرے مرنے کی خبر سن کے خفا ہو جانا　　بدگمانی یہ نہیں تو اسے کیا کہتے ہیں

اب کس سے جفا کا حال کہیں، اب کس سے وفا کی داد ملے
بیداد نہیں، غماز نہ ہو، آوازِ شکستِ دل میں نہیں

سازِ ہستی کو بس اب غم کے اشارے سے نہ چھیڑ
اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے، جاگتے ہی سو جاتے ہیں

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار   زندگی آہِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

کہتے ہیں یہاں حضرت فانی تو نہیں ہیں   اس انجمن ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

رازِ حقیقت جاننے والے دیکھیے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے تیری تمنا کہتے ہیں

ہجر میں نامرادِ زیست جی سے گزر نہ جائے کیوں
ہو جنھیں زندگی نصیب، موت انہی کو آئے کیوں
حسن نے راہ چاہیے، ذوق نگاہ چاہیے
جب کوئی روبرو نہ ہو سامنے کوئی آئے کیوں

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ   کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں
میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے   تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

دل ہی وہ خانماں خراب نہیں ۔ جس کو توفیق اضطراب نہیں
میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ ۔ تیرے منھ پر کوئی نقاب نہیں

رہ ظلمت کی اے خضر نہیں ہم کو تلاش ۔ ہم ہیں غربت زدہ حسد دیار گیسو
طالع بد بھی مرا طالع اسکندر ہے ۔ ہے مرا بخت سیہ آئینہ دار گیسو

وہ مایوس شفا میں ہوں، وہ جینے سے خفا میں ہوں
کہ جس کی زندگی فانی دم شمشیر قاتل ہو

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ ۔ نہ دل پہ ہاتھ نہ اب سوئے آسماں ہے نگاہ
سرور وعدہ کہیں اور کہیں غم ناگاہ ۔ خیال دوست کی نیرنگیاں خدا کی پناہ

کیا کرے زندگیٔ خضر کو لے کر وہ شہید ۔ لاش پر جس کی بس مرگ وہ دامن ڈالے

ازل میں آشنائے شوق کیا کوئی نہ تھا یا رب ۔ ہماری ہی زبان دنیا میں وقف التجا کیوں ہے

ہے ایک میرے پاس بھی، کہتے ہیں دل جسے ۔ جام جہاں نماں کوئی جاگیر جم کی ہے

اک عمر سے ہوں ناصیہ فرسا ترے در پر ۔ اتنا تو کبھی پوچھ کہ تو کون ہے کیا ہے
ٹالا ہے مجھے وصل کو محشر پہ اٹھا کر ۔ آجائے اگر کل ہی قیامت تو مزا ہے

شکایت سے کرتے ہیں عذر شکایت ۔ گلہ کیوں ! کیا یہ گلہ ہو رہا ہے

کیوں پس مرگ یہ احسان اٹھائے کوئی ۔ بےکسی کہہ دے جنازے پہ نہ آئے کوئی
وہ بھی دن ہو کہ مری خاک کو کرنے پامال ۔ قبر پر حشر اٹھاتا ہوا آئے کوئی

تاثیر کیے بن نہ رہی غم کی کہانی　　کہتا کسی ہم راز سے یہ راز غضب ہے

گو ایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی　　کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

مجھے آہ کا ہے رونا جو یہ بے اثر نہ ہوتی
مری بے قراریوں کی تمھیں کیوں خبر نہ ہوتی
مری زندگی کی گھڑیاں تری دھن میں خوب گزریں
مری عمر کیسے کٹتی، تری یاد اگر نہ ہوتی

خیر ہے کیوں مرے مرنے کی ہنسی ہوتی ہے　　دل لگی کیا ہے، لگی دل کی بُری ہوتی ہے
گریہ کے ضبط کی تہمت نہ لگے آنکھوں کو　　خون دل اب ترے آنے میں کمی ہوتی ہے

ارمان کہاں ضعف میں تاثیر الم کے　　لالے ہیں پڑے اب تو ہمیں آہ کے دم کے

گو ہستی تھی خواب پریشاں، نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھے تھے ہم گھبرا کر، پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

مجھے مرنے کی حسرت کارِ مشکل کی تمنا ہے　　مرا دم بھی کسی ناکام کے دل کی تمنا ہے
اجل سے ہے دل مایوس کو امید آسایش　　مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

دیکھ فانی وہ کوئی حشر اٹھاتا آیا　　چونک اب خواب لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

ہے جو اس کان ملاحت سے طلب گار نمک　　زخم دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہے
اللہ اللہ سرخیٔ رنگ شفق کیوں اے جنوں　　آسماں کیا کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہے

مطلب ہے ضبطِ عشق سے تاثیر دردِ عشق
اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہے
روداد مرگ و زیست یہ ہے قصہ مختصر
مجبورِ زندگی کو بھی جینا محال ہے

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پا تراب ہے
آکر حیاتِ مستعار نقش بر دِ آب ہے
قاعدہ دانِ ضبط ہے شعلۂ غم کی داد دے
برق کی وضع پر نہ جا بندہ اضطراب ہے

اے داغِ دل اے کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آفاقیٔ بے دل تجھے سینے سے لگا لے

عالمِ ہستی یا رب کیا آباد نما ویرانہ ہے
جس نے یہاں کچھ ہوش سنبھالا اس پہ وہی دیوانہ ہے
کس کو یہاں امید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں
حالِ دل اس سے یوں کہتے ہیں گویا اک افسانہ ہے

میں بھی اک پرتوِ ہستی ہوں مگر کیا کہیے
قطرہ دریا سہی، کس قطرے کو... دریا کہیے
تھی نظر صرف تماشا، وہ زمانہ گزرا
اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہیے

جادو جگا گئی ہے جب سے نظر کی مستی
بے ہوش مستقل ہے اس رہ گزر کی بستی

آٹھ پہر کسی کی آنکھ بند نہ کیوں رہا کرے
دید ہو یا امید ہو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کرے
ہے تری بارگاہ میں حرفِ غلط ہر آرزو
کوئی دعا نہیں قبول، لاکھ کوئی دعا کرے

کچھ آگہی سی اپنی حقیقت سے ہے مجھے
امید بے سبب تری رحمت سے ہے مجھے

رسمِ بے داد دوست عام ہوئی
تلخیٔ زیست بھی حرام ہوئی

تو بھی تو، ماسوا بھی تو ہی ہے
رنگ و بو، رنگ ہے نہ بو ہی ہے
پاسِ وضعِ حیات کیا کہنا
آرزو ہے تو آرزو ہی ہے

جینے کی ہوس بھی ہے، مر رہنے کی حسرت بھی — وہ ایک تری مرضی جو غم بھی ہے راحت بھی
اس مشغلۂ غم میں کیا لطفِ حیات اٹھے — ملتی ہے کہیں فانی مر رہنے کی فرصت بھی

آرام اسی میں تھا کہ آرام نہ لیتے — ہم صبح سے پیغامِ سرِ شام نہ لیتے
فانی یہ نہ سمجھے دمِ آخر ہے یہی آہ — اتنے کے لیے آہ کا الزام نہ لیتے

دل میں آکر جو آہ ہوتی ہے — سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
طاقتِ ضبط کا سوال نہیں — اپنی ہر سانس آہ ہوتی ہے

شبِ وصال جو تجھ سے وہ گل بدن بگڑا — نشاطِ وصل تو کیا لطفِ انجمن بگڑا
نہ قتل نامہ برِ شوکتِ حزیں ہو کہیں — مزاجِ یار رہے یا رب ذوالمنن بگڑا[1]

---

[1] اشعار پروفیسر صوفی تبسم نے بیاضِ فانی سے نقل کر کے عنایت فرمائے

تضمینات

تضمین غزل مرزا غالبؔ

کوئی آساں ہے ہر موج کا طوفاں ہونا　　ہر گلِ تازہ کو فردوس بداماں ہونا
ہر تجلی کو فروغِ رخِ جاناں ہونا　　بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ شورشِ سودائے نشاط　　اب نہ وہ دل ہے نہ وہ حسرتِ شبہائے نشاط
لے مبارک ہو تجھے اے چمن آرائے نشاط　　لے چلے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

جیتے جی میرے نہ کی اس نے خدا سے توبہ　　اب ہوئی توبہ تو ہو میری بلا سے توبہ
کیا عداوت تھی اسے اہلِ وفا سے توبہ　　کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کم نہیں کوئی بھی ہنگامۂ حسرت غالبؔ　　پھر جسے اس کی محبت سے ہو نسبت غالبؔ
وحشت اور پھر دلِ شوریدہ کی وحشت غالبؔ　　حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

تضمین بر غزل جناب منشی امیر احمد صاحب امیرؔ مینائی لکھنوی

اشکوں سے جو منہ کو دھو رہے ہیں — قسمت کو ہم اپنی رو رہے ہیں
اوقات وصال کھو رہے ہیں — ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں

تو ہجر میں جان کھو رہے ہیں — دو عیش کی نیند سو رہے ہیں
چلنے کو ہیں چار-دو رہے ہیں — کیا رنگ جہاں میں ہو رہے ہیں
دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں

تھی جن سے امیدِ دست گیری — مشکل ہے اب ان سے جاں بَری بھی
اب کیجیے شکایت آہ کس کی — فریاد کرنا خدا سے کشتی
کشتی کو مری ڈبو رہے ہیں

کیا کہیے فسانہ محبت — ہے عشق جفا شعار آفت
اس خانہ خراب کی بدولت — پہنچی ہے ہماری اب یہ حالت
جو ہنستے تھے وہ بھی رو رہے ہیں

پھل پائیں گے کیا ستانے والے — جل جائیں گے خود جلانے والے
دکھ پائیں گے دل دکھانے والے — روئیں گے ہمیں رلانے والے
ڈوبیں گے وہ جو ڈبو رہے ہیں

عصیاں کا ہے سر پہ بار افسوس — پر کچھ نہیں فکرِ کار افسوس
اب تک نہیں ہوشیار افسوس — پیری میں بھی ہم ہزار افسوس
بچپن کی نیند سو رہے ہیں

گو لاکھ جفائیں ہوں اُدھر سے نکلے نہ صدائے اُف جگر سے
لازم نہیں ابرِ اشک برسے پوچھے کوئی دیدہ ہائے تر سے
کیوں نامِ وفا ڈبو رہے ہیں

سفّاک ستم شعار قاتل ہو کیوں نہ نباہ سخت مشکل
اوّل تو وہ چھین لے گئے دل دل چھین کے ہو گئے ہیں غافل
فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں

فانی یہ تو خدا ہی جانے کیا دل پہ گذرتے ہوں گے صدمے
اکثر دیکھا مگر یہ ہم نے زانو پہ امیر سر کو رکھّے
پہر دن گذرے کہ رو رہے ہیں

مخمس برعایت[1] نام محبّی و مشفقی

(ابو العلا محمد عظمت علی صاحب حسرت لکھنوی)

مزارِ فانیٔ مرحوم آج کیا دیکھا — حبابِ در طرۂ دریا سے آشنا دیکھا
مسافر اک سرِ منزل شکستہ پا دیکھا — دیارِ عمر کو معمورۂ فنا دیکھا
عجیب رنگ طلسماتِ خاک کا دیکھا

ظہورِ ہوش کو تمہیدِ بے خودی پایا — مآلِ غایتِ آغازِ زندگی پایا
تلاشِ عیش کو فی الجملہ گمرہی پایا — عروج ہو کے تنزل گذشتنی پایا
لباسِ دہر کو فرسودۂ فنا دیکھا

یہ کیا ہے جو نظر آتا ہے آہ کیا کہیے — حجابِ دیدۂ خود بین و خود نما کہیے
سراب جانیے دھوکا نگاہ کا کہیے — رموزِ ہستیٔ دنیا جو برملا کہیے
تو ہم نے ساری خدائی کو بے بقا دیکھا

---

[1] صنعت توشیح

در حمد حق سبحانہٗ تعالےٰ

اے خدائے جلیل بندہ نواز
ذوالمنن بے نیاز و بے انباز

مدعائے سخن ہے بات تری
برترین ذوات ذات تری

وحدہٗ لاشریک و بے ہمتا
تجھ سے سب ہیں کوئی نہیں تجھ سا

کارپرداز بے ہمال ہے تو
اپنی بس آپ ہی مثال ہے تو

عالم الغیب ہے خبیر ہے تو
سب پہ قادر ہے تو قدیر ہے تو

ہے تو ہی دادرس غریبوں کا
تو ہی فریادرس غریبوں کا

ذات تیری غنی کریم ہے تو
ہادیٔ راہِ مستقیم ہے تو

خاک میں نور کا ظہور کیا
قلب کو جلوہ گاہ طور کیا

ہوا داحقِّ معرفت پھر کیا
ماعرفناک جب نبیؐ نے کہا

تو نے روشن چراغ عقل کیا
تو نے سرسبز باغ عقل کیا

ہے تری ذات بے چگوں و چرا
کچھ نہیں جائے دخل چون و چرا

نہ بدایت نہ انتہا تجھ کو
سب فنا کے لیے۔ بقا تجھ کو

تیری بو تیرا رنگ ہر گل میں
تیری تسبیح شورِ بلبل میں

دل میں لالے کے داغ ہے تیرا
اور کف میں ایاغ ہے تیرا

تو نے کیا کیا دیا ہے کس کس کو
زلف سنبل کو چشم نرگس کو

گل کو عارض زبان سوسن کو
قد دیا تو نے سروِ گلشن کو

برق کو تیز گام تو نے کیا
کبک کو خوش خرام تو نے کیا

چشمۂ مہر میں ضیا تیری — روضۂ دہر میں فضا تیری
آگ باغ و بہار کی تو نے — کشتیٔ نوحؑ پار کی تو نے
لبِ معجز نمائے عیسیٰؑ ہو — یدِ بیضا عصائے موسیٰؑ ہو
کچھ بھی ہو سب تری عنایت تھی — میرے مولا یہ تیری رحمت تھی
تیرے فضل و کرم کی غایت کیا — تیرے الطاف کی نہایت کیا
ہے سدا سب پہ لطفِ عام ترا — ارحم الراحمین ہے نام ترا
کوہ و دریا کا تجھ سے دامن پُر — معدنِ لعل یہ۔ وہ مخزنِ دُر
کیا کہوں میں نے تجھ کو کیا جانا — بس یہ جانا کہ کچھ نہ پہچانا
رازقِ بد ہے یارِ نیک ہے تو — سو کی یہ ایک ہے کہ ایک ہے تو
بحرِ رحمت کو جوش آئے اگر — ابر برسائے جائے آب۔ گہر
دُر سے خالی کوئی صدف نہ رہے — سنگ پہ لعل کو شرف نہ رہے
مشک بن جائے تودہ تودۂ گِل — غیرتِ خور ہو ذرہ ذرۂ گُل
چہچہا اٹھے بلبلِ تصویر — اور مہکنے لگے گُلِ تصویر

بے نقط

حمد داورِ ہر دو عالم کو — مرسلِ مرسل مکرم کو
معدلِ لا الٰہ الا اللہ — ملہم احمد الرسول اللہ
حاصلِ واصل ہر حصول و اصول — محرمِ سرِ سائل و مسؤل
حاکمِ امر محمد و مطرود — عالمِ علم ملحد و محمود
داورِ دورِ کرۂ دوّار — مالک الملک عالم الاسرار

قصائد

قصیدہ بطرز ترکیب بند

یہ قصیدہ پرنسپل بریلی کالج کے فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی بنائے جانے کی تقریب میں لکھا گیا

(۱۸۹۸ء)

سنتے ہیں گلشن میں پھر فصلِ بہار آنے کو ہے
پھر ہزار انداز سے بانگِ ہزار آنے کو ہے

پھر نئی کلیاں گلابی رنگ کی کھلنے کو ہیں
آنکھ میں نرگس کے پھر ہلکا خمار آنے کو ہے

پھر کریں گی قمریاں گلشن میں کوکو ہر طرف
پھر نئی رونق پہ سروِ جوئبار آنے کو ہے

پھر ہرے ہو جائیں گے پژمردہ اشجارِ چمن
سوکھی سوکھی ڈالیوں میں برگ و بار آنے کو ہے

پھر دکھانے کو ہے نرگس چشمِ آہو کی پھبن
غنچۂ بن کرنا فۂ مشکِ تتار آنے کو ہے

پھر قبائے سبز پہنیں گے جوانانِ چمن
کبک پھر مستانہ سوئے کوہسار آنے کو ہے

پھر کسی کے لب سے مل جائے گا رنگِ برگِ گل
پھر چنبیلی کی مہک سے بوئے یار آنے کو ہے

پھر وہی صیاد و بلبل میں رہے گی تاک جھانک
پھر تلاشِ گل میں گلچیں بار بار آنے کو ہے

پھر پڑیں گی پتیوں پر ہلکی ہلکی بوندیاں
پھر گھٹا گھنگھور کے سوئے سبزہ زار آنے کو ہے

چل رہا ہے ناز دباغباں بر فرِ بختِ گلستاں
خسروِ گل جلوہ آرا شد بہ تختِ گلستاں

تھی دعا اپنی بھی مدت سے کہ اب کی اے خدا
موسمِ گل آئے گلشن میں نرالے رنگ کا

اس قدر پھولوں کی کثرت ہو کہ بھر جائیں چمن
اتنی کلیاں ہوں کہ تھک جائے کھلانے سے صبا

مرحبا اے بخت آپہنچی چمن میں فصلِ گل
فضلِ حق سے کر گئی تاثیر اپنی التجا

کوئی کیا جانے کہ تھی اپنی دعا سے کیا غرض | کوئی کیا سمجھے کہ مطلب فصلِ گُل سے ہم کو کیا
شام کو گلگشتِ گلشن کچھ نہ تھا مدِّ نظر | بھینی بھینی بوئے گُل کا سونگھنا مقصد نہ تھا
آرزو یہ تھی کہ لائیں باغ سے چُن چُن کے پھول | سب ملا کر ایک گلدستہ بنائیں خوشنما
میز پر یا طاق پر رکھنے کا گلدستہ نہ ہو | جس کی سج دھج چار دن کی رنگ جس کا بے بقا
ظاہری گلدستۂ ریحان و گُل مقصد نہیں | بلکہ اک گلدستۂ معنی ہے دل کا مدعا
نذر دیں گے ہم یہ گلدستہ اگر کر لے قبول | ماہرِ علم و ہنر کیری مہ اوجِ ذکا

آنکہ ذاتِ اوست در کالج چو خور بر آسماں
چوں گہر در قعرِ یم چوں لعل در کانِ یماں

کیوں نہ اس کالج کو فخر اپنے مقدر پر رہے | جس میں اک تجھ سا پرنسپل کرم گستر رہے
کر لیا گھر سب کے دل میں تیری خوئے نیک نے | مدح گو تیرے ہمیشہ سب پروفیسر رہے
خلقِ صافی اک طرف ہے علمِ وافی اک طرف | تیرا شاکی کوئی اسٹوڈنٹ پھر کیوں کر رہے
دم میں دم باقی ہے جب تک دل سے مٹ سکتے نہیں | تیرے احسانات نقش کالحجر ہو کر رہے
منزلت فیلو کی ہو تیری نظر میں کس طرح | فخر یونیورسٹی یہ ہے کہ تو ممبر رہے
گر عنایت ہو تیری ادنیٰ سے اسٹوڈنٹ پر | وہ بھی فیلو آف یونیورسٹی ہو کر رہے
جام ہو جب تک الٰہی بزمِ جم کی یادگار | آئینہ جب تک چراغِ گورِ اسکندر رہے
جائے مغرب کی طرف مشرق سے جب تک آفتاب | چرخ کے پاؤں میں جب تک رات دن چکّر رہے
شوکتِ خورشید کا دن ہی رہے جب تک عمل | رات میں جب تک مسلّم عظمتِ اختر رہے

دشمنانت پائمال و سرنگون و خوار باد
دائما اقبال و سال و فالِ نیکت یار باد

رباعیات

غم عین نشاط و راز تخلیق نشاط
غم جنت انبساط و تصدیق نشاط
غم کا ہے تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہے غم کے دم سے توفیق نشاط

یہ ارض و سما یہ انس و جاں ہیں الفاظ
الفاظ کے معنی بھی یہاں ہیں الفاظ
اک معنی بے لفظ ہے عالم فانیؔ
معنی کی لطافت پہ گراں ہیں الفاظ

کیا جانیے کس کی جستجو جاری ہے
اک عمر سے رسم آرزو جاری ہے
کچھ اپنی زباں میں دل کہے جاتا ہے
بے سمجھی ہوئی سی گفتگو جاری ہے

منھ میں ہے زبان کچھ نہ کہنے کے لیے
اسباب طرب ہیں رنج سہنے کے لیے
اثبات سے اثبات کی ضد ہے مقصود
زندہ ہیں فقط زندہ نہ رہنے کے لیے

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہے
خود کھو گئے ماجرائے تحقیق یہ ہے
تو کیا ہے یہ ابتدائے تحقیق سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہے

وہ یاد جو محو ہوش پاتی ہے مجھے
چونکا کے عجب سماں دکھاتی ہے مجھے
ہر گُل میں جھلکتا ہے رُخ یار کا رنگ
ہر رنگ میں بوئے یار آتی ہے مجھے

جو شے نہ ہو اُس کی آرزو سے حاصل ۔۔۔ فانی راحت کی جستجو سے حاصل
تو جس کی تلاش میں ہے دنیا میں نہیں ۔۔۔ پھر حسرتِ سیر لکھنؤ سے حاصل

دل کا نہ سہی یہ حال افسانہ سہی ۔۔۔ جاتی نہیں تم پہ جان اچھا نہ سہی
ظاہر ہے کہ ہشیار نہیں ہے فانی ۔۔۔ دیوانہ تمھارا نہیں دیوانہ سہی

پردہ کہ عرب سے یکے تا روم و عجم ۔۔۔ کچھ شرم و حیا سے اس میں زیادہ تھا نہ کم
کایا سی گئی ہند میں کچھ اُس کی پلٹ ۔۔۔ یاں اُس نے لیا ہے اینٹ گارے کا جنم

دکھ عورتوں کے سنو زبانی اُن کی ۔۔۔ سننے ہی کے قابل ہے کہانی اُن کی
ٹیڑھے ہیں تو کون بل نکالے اُن کے ۔۔۔ سیدھے ہیں جو مرد مہربانی ان کی

یہ گھر نہیں جیل ہے خطا واروں کا ۔۔۔ اسلام کے بے گنہ گرفتاروں کا
ہے سب سے بڑا گناہ عورت ہونا ۔۔۔ محبس ہے یہ قدرت کے گنہگاروں کا

محکوم ہے حاکم کی حکومت کا شکار ۔۔۔ کمزور زبردست کی قوت کا شکار
تھوڑی ہے نہ ہو جو عورتوں پر سختی ۔۔۔ جب تک ہیں یہ مردوں کی جہالت کا شکار

پاکیزہ ہوا کی تازگی سے محروم ۔۔۔ دیواروں میں بند روشنی سے محروم
ہے قابلِ رحم عورتوں کی حالت ۔۔۔ زندہ ہیں مگر ہیں زندگی سے محروم

آرام کے ساتھی ہیں فراغت کے شریک
البتہ نہیں گردش قسمت کے شریک
غم خوار خدا نخواستہ کیوں ہوتے
احباب کا مفہوم ہے راحت کے شریک

جب کوئی تڑپ دیکھنے والا نہ رہا
پھر لطف کوئی دل کی تڑپ کا نہ رہا
جس دل کا میسر نہ ہو غم خوار کوئی
اس دل میں کوئی درد رہا یا نہ رہا

سب سے مجھے بیگانہ بنا کر چھوڑا
عبرت کا اک افسانہ بنا کر چھوڑا
آنے نہ دیا ہوش محبت نے کبھی
آخر مجھے دیوانہ بنا کر چھوڑا

بندے ان کی رضا کے ہیں لیل و نہار
تکتی ہے انھیں کا منہ خزاں ہو کہ بہار
تدبیر تو پھر فانی ہے پھر آخر تدبیر
تقدیر کو ہے ان کی مشیت درکار

یہ بحث مجاز کیا، حقیقت کیسی
وحدت ہی کہیں نہیں ہے، کثرت کیسی
وہ ایک ہے گویا متعین ہے وہ ذات
یہ کفر صریح ہے، عبادت کیسی

یعقوبؑ کی تم نے آہ و زاری سن لی
ایوبؑ کی بھی شکر گزاری سن لی
یہ مان لیا کہ سب کی سُن لیتے ہو
یہ اور سمجھ لیں کہ ہماری سن لی

ہر چند کہ بے نیاز عالم تو ہے
ہر درد میں دل نوازِ عالم تو ہے
للہ بنا دے مرے بگڑے ہوئے کام
واللہ کہ کارسازِ عالم تو ہے

دنیا اندھیرے جب ہوئی جاتی ہو
امید بھی ساتھ چھوڑتی جاتی ہو
سمجھو سُن لی خدا نے دل کی فریاد
ہر چند کہ اب اُف بھی نہ کی جاتی ہو

بندے زردار و بے نوا ہیں دونوں
محتاج عطا شاہ و گدا ہیں دونوں
ہستی کا فریب ہے مراتب کا یہ فرق
دھوکے میں نہ آ کے دیکھ کیا ہیں دونوں

اللہ رے مال و جاہ و ثروت کا غرور
اس خاک کے پتلے کو قیامت کا غرور
اس آج کے فرعون نے یہ بھی دیکھا
فرعون رہا نہ وہ حکومت کا غرور

دل میں خلش درد نہاں جاری ہے
دل پر اثر سود و زیاں جاری ہے
مرجاؤں تو اعتبار آ کے شاید
جب تک جیتا ہوں امتحاں جاری ہے

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویر فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانی
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سموئی ہوئی جنت دیکھی

عالم بدلا فضائے عالم بدلی
ہر شئے بے اختیار و پیہم بدلی
ہاں اک مری تقدیر کہ بدلی ہی نہیں
اک میری طبیعت کہ بہت کم بدلی

ترک غم سے خوشی کی حسرت نہ مٹی
صورت کے بدل جانے سے صورت نہ مٹی
غم لاکھ غلط کیا مگر پھر غم تھا
انکارِ حقیقت سے حقیقت نہ مٹی

کس شخص کو احتیاج دنیا نہ ہوئی
ہاں فرق یہ ہے فاش ہوئی یا نہ ہوئی
محتاج چھپا سکا نہ افلاس کا راز
زردار کی احتیاج رسوا نہ ہوئی

بلبل کو چمن کی زندگی راس آئی
پھولوں کو غریب الوطنی راس آئی
فانیؔ کو نہ زندگی میں راس آیا کچھ
آئی بھی تو ایک موت ہی راس آئی

کچھ خیر سے یاد یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا بھی اگر ہوش تو بے چین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

کچھ کام نہیں تو کام کر جانے دے
یارب دنیا سے اب گزر جانے دے
مر مر کے جیے جائے کہاں تک فانیؔ
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

نیرنگیٔ حسیات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانیؔ بیمار غم کی وہ رات ہوں میں

آماج گہ ناوک آفات ہوں میں
تلخی کش زہر عیش مافات ہوں میں
عبرت کدۂ دہر میں شاید فانیؔ
جینا ہے گناہ اور مکافات ہوں میں

ناعاقبت اندیش قیامت کو سمجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادت کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
آواز شکست دل کی طاقت کو سمجھ

کشمیر میں حال اہل کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب! اپنی تعبیر تو دیکھ

کیا خضر طریق کہہ کے رہزن کہتے
بنتی نہیں موم کہہ کے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہے
شرم آتی ہے دشمنوں کو دشمن کہتے

فانی جب دل نہیں تو دنیا بھی نہیں — اب عیش عزیز کیا گوارا بھی نہیں
جینے کی تمنا کو زمانہ گزرا — اب خیر سے مرنے کی تمنا بھی نہیں

اک شمع کی سو روپ میں تنویریں ہیں — اک حرف کی سو رنگ میں تحریریں ہیں
بن جاتی ہے ہر نگاہ منظر فانی — جو دیکھ رہا ہوں میری تصویریں ہیں

روداد غم ہوش ہے وابستۂ کُن — کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور نہ چن
فانی افسانۂ مکمل ہے حیات — سن اور با ایں ہمہ رد و اصلاح نہ سن

دنیا کہیں دوزخ ہے کہیں خلد بریں — دل ہے وہی ایک شاد ہے ایک حزیں
یہ ذرہ چمک اٹھا وہ تاریک ہوا — جم کر نہ رہی شعاع خورشید کہیں

بلبل کی حیات کا تقاضا ہے کچھ اور — پھولوں کی جو دنیا ہے وہ دنیا ہے کچھ اور
گو نالۂ مجبور بھی آسان نہیں — مجبوریٔ خندہ ہائے بے جا ہے کچھ اور

ناکام ازل کی کامرانی معلوم — قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید — ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

ہستی فقط اک دور مسلسل ہی نہیں — ہر خلق جدید ہے لطافت سے قریں
کلیوں کو تو سب نے پھول بنتے دیکھا — کلیاں بنتے بھی پھول دیکھے ہیں کہیں

کس روز یہ دل کفر کا مسکن نہ ہوا — کس شرک سے آلودہ یہ دامن نہ ہوا
ہم نے سو طرح دشمنی دوست سے کی — اللہ ری دوستی وہ دشمن نہ ہوا

گو خار ہوں جب یاد چمن آتی ہے
انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہے
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو
دوزخ سے بھی جب بوئے وطن آتی ہے

اے فتنۂ روزگار آہستہ گزر
آشوب دل فگار آہستہ گزر
نازک ہے بہت دماغ ارباب جنوں
اے نکہت زلف یار آہستہ گزر

جاہل ہی نے پایا ہے نہ عالم نے تجھے
مخفی رکھا ضمیر مجرم نے تجھے
لیکن یہ حجابِ قدر آخر کب تک
پہچان لیا فسخ عزائم نے تجھے

یہ رات یہ ابر یہ ہوا کے جھونکے
یہ راگ ہوا کے ساز پر بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد دے کے نشتر آئی
پھر زخم ہرے ہو کے رہے برسوں کے

قطرے کو یہاں سحاب بھی کہتے ہیں
دریا ہے جسے حباب بھی کہتے ہیں
ہر جزو بجائے خویش کل ہے فانی
ذرے ہی کو آفتاب بھی کہتے ہیں

بجھتی ہی نہیں شمع جلے جاتی ہے
کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانی
سینے میں چھری ہے کہ چلے جاتی ہے

دل ہے وہی اضطراب کی خو نہ سہی
غم ہے وہی اظہار کا پہلو نہ سہی
آنسو تھے تو آنسوؤں سے رو لیتے تھے
روتے اب بھی ہیں خیر آنسو نہ سہی

اب یہ بھی نہیں کہ نام تو لیتے ہیں
دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی نہیں
سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

ہر شے میں نگاہ شوق پاتی ہے تجھے
دوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

کلیاں کھلتی ہیں پھول کھلاتے ہیں
جلوے بے باک ہو کے چھپ جاتے ہیں
دل جن کے اداشناس ہیں، رنگ نہیں
فانی اس باغ میں وہ کیوں آتے ہیں

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں
چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں
غم مے سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے
پلٹی ہے غلط کیے سے قسمت بھی کہیں

غم راز بقا نظام یک عالم ہے
غم مے سے غلط ہو یہ توقع کم ہے
ہے ردّ حقیقت بھی حقیقت فانیؔ
بالفرض غلط بھی ہو تو غم پھر غم ہے

دے کر یارب تونگری کی توفیق
دی اہل تکبر کو خودی کی توفیق
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تو نے
اب ان کو عطا ہو بندگی کی توفیق

جاہل خود اور خود اہل عرفاں ہونا
خود تشنہ لب اور خود آب حیواں ہونا
اضداد کا امتزاج کچھ کھیل نہیں
مشکل ہے کوئی کام تو انساں ہونا

ہر چند بہت بے سروساماں ہوں میں
اور قصر گناہ پر پشیماں ہوں میں
لیکن یہ غنیمت ہے فرشتہ میں نہیں
بخشش کو یہ کافی ہے کہ انساں ہوں میں

وہ بھید ہوں فانیؔ جو کوئی پا نہ سکے
وہ بات ہوں جو خیال میں آ نہ سکے
قادر ہو وہ عمر بھر جیے جانے پر
جو تاب عذاب یک نفس لا نہ سکے

ہاں بعد خزاں بہار آ جاتی ہے
ایک لمحۂ عیش بعد غم لاتی ہے
ایک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضان کے بعد عید آتی ہے

کیا جام مئے ہوش رُبا دیتا ہے
کیا مژدۂ ردّ ہر بلا دیتا ہے
ہر قطرۂ مے ہے خون صد عیش بدوش
مے دے کے فریب عیش کیا دیتا ہے

آنکھوں سے جو خون دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانیؔ
غم اس کی امانت ہے یونہی رہنے دے

دیوانۂ صنعت گزار بے ہوش گزر
پستی و بلندی سے ہم آغوش گزر
نیرنگ نگاہ و گوش ہے ہر ذرّہ
حیراں گزر اس راہ سے خاموش گزر

وقت اپنا سبھی طرح گزر جاتا ہے
اچھی کہ بُری طرح گزر جاتا ہے
جو لمحہ کسی طرح گزرتا ہی نہیں
فی الجملہ کسی طرح گزر جاتا ہے

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے ہم نے جس کسی کو چاہا
سو رنگ سے تھی دل میں تمنا اس کی
جب اس کو نہ چاہا تو اسی کو چاہا

دل ہو ہمہ جوش زندگانی یہ ہے
مایوس نہ رہیے کامرانی یہ ہے
ہر فتح کی بنیاد ہے انکار شکست
مانوس ہو غم سے شادمانی یہ ہے

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا
جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم بھی جی رہے ہیں فانیؔ
جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

کتنوں کو جگر کا زخم سیتے دیکھا
دیکھا جسے خون دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب
ہم رو دیے جب کسی کو جیتے دیکھا

ناقص ہے عطا نہ زندگانی محدود
ہے بہر حصول خلقت ہر مقصود
فانیؔ جس کا حصول ناممکن ہے
ممکن نہیں دل میں اس تمنا کا وجود

سچ ہے کہ محبت میں اثر ماہے
جو چاہیے وہ نہیں مگر ہوتا ہے
جتنا متوقع ہو خبر کا کوئی
اتنا ہی وہ اور بے خبر ہوتا ہے

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا
فانیؔ ارنی نہ اپنے منھ سے نکلا
احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

انوار کے پردوں میں سیاہی توبہ
اغراض کی دوستی الٰہی توبہ
فانیؔ جنھیں دشمنی سمجھنا ہے محال
ان دشمنیوں کی بے پناہی توبہ

نیرنگ زمانہ رنگ دنیا دیکھا
کیا کہیے کہ ہم نے کیا کیا کیا دیکھا
تدبیر نے جو کنوئیں جھکائے جھانکے
تقدیر نے جو ہمیں دکھایا دیکھا

تکمیل بشر نہیں ہے سلطاں ہونا
یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انساں ہونا

تھا باغ مرقع تمنا اپنا
صحرا سو وہ اک نقش جنوں تھا اپنا
ہم بزم حواس میں اکیلے ہی رہے
دیکھا کیے دور سے تماشا اپنا

اے راہ رو جادۂ دنیائے یقیں — چل خاک پہ قدموں کی عوض رکھ کے جبیں
نقش قدم دوست ہیں یہ پست و بلند — ہلکے ہیں کہیں یہ نقش گہرے ہیں کہیں

بیگانہ ہجر ہو کے مہجور رہے — رحمت سے قریب رہ کے ہم دور رہے
عصمت رہی احساس خطا میں مضمر — مختار سمجھتے رہے مجبور رہے

تنزیہہ ہے اس کی ہر صفت کا مقصود — وہ ایک ہے یعنی نہیں کثرت کا وجود
تحدید کا پہلو نہیں وحدت میں کہ ہے — انکار تعین بزبان محدود

دل سے تیری ہی گفتگو کافی ہے — تجھ سے تیری ہی آرزو کافی ہے
فانی ہو کر باقی ہو وہ دنیا ہو کہ خلد — درکار نہیں کہ ایک تو کافی ہے

ہستی کے نہ آغاز نہ انجام میں دخل — تکلیف پہ قابو ہے نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا — مختار ہوں اور نہیں کسی کام میں دخل

ہر لمحہ گزرنے کو ہے یا گزرا ہے — ہنگام عمل دیکھیے کب آتا ہے
ٹھہرے گا کبھی وقت تو ہوگا امروز — فی الحال زمانہ دے ہے یا فردا ہے

کب کوئی کسی کے لیے غم کھاتا ہے — وہ نیک ہے جو بدی سے ڈر جاتا ہے
امکان ہے اپنی بے کسی کا بھی کبھی — اس خوف سے بے کس پہ ترس آتا ہے

اس سمت تقاضا کہ ادھر ایک نگاہ — اس سمت فریب وعدۂ شام و پگاہ
یہ کشمکش ردّ و قبول اور فانی — لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

قطعات

یاس ہے اور خاطر بے تاب　　آرزو ہے نہ کوئی حسرت ہے
عمر جاوید اب عزیز نہیں　　جان فانی کو عزم رحلت ہے

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں　　ہو گئی صبح وقت خواب کہاں
یاس ہے اب نہ آرزو فانی　　دل ہو بے تاب اب یہ تاب کہاں

دم لینے کی تو مہلت ملنا ہی چاہیے تھی　　دن رات بحرِ غم میں کیا غرق چاہیے تھا
فانی کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یا رب　　موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

سچ اگر پوچھو تو دنیا اک تماشا گاہ ہے　　اہلِ دنیا اس تماشا گاہ کے ہیں ایکٹر
زندگی اسٹیج پردے انقلاباتِ جہاں　　مختلف سین اس تھیٹر کے ہیں حالاتِ بشر

عورتوں پر برتری مردوں کی ثابت ہے کہ وہ　　رکھتے ہیں قوت جو ہے اس برتری کا لازمہ
سچ کہا ہے یہ کسی نے جس کی لاٹھی اس کی بھینس　　ہے جہاں لاٹھی وہاں انصاف کا ہے خاتمہ

کس سے کہیے فسانۂ غم دوست　　سننے والا یہاں نہیں کوئی
وہ سنیں بھی تو ان سے کیا کہیے　　حال دل داستاں نہیں کوئی

(قبل ۱۹۰۶ء)

اے علم تری ذات سے دنیا کا بھلا ہے — دنیا ہی نہیں دین کی بھی تجھ پہ بِنا ہے
تو جس کے نہیں پاس وہ انسان نہیں ہے — انساں کو شرف علم سے خالق نے دیا ہے
تو جس کا معین اُس کا زمانہ بھی ہے ساتھی — تو جس سے خفا اس سے زمانہ بھی خفا ہے
تو وہ ہے خزانہ کہ جسے تو نہیں حاصل — گر شاہِ زماں بھی ہے تو مفلس ہے گدا ہے
چرچا نہیں جس گھر میں ترا دشت سے بدتر — جس دل میں نہیں تو وہ درندوں کی غذا ہے
ہیں اشرفِ مخلوق یہ تیری ہی بدولت — انسانوں میں کیا ورنہ بہائم سے سوا ہے
ہے شش جہتِ دہر میں تیری ہی ترقی — آوازہ ترا چار طرف گونج رہا ہے
کھویا نہیں جس نے تجھے جس وقت بھی پایا — بھولا نہیں جس نے کہ تجھے سیکھ لیا ہے
کھینچتا نہیں تو اُس سے جو دلدادہ ہے تیرا — شاہد ہے مگر تیری طبیعت میں وفا ہے
ہوتی نہیں بے تیرے کسی فن میں ترقی — مہمل ہے اگر لفظ عمل تجھ سے جدا ہے
تیرے ہی سبب سے ہے فلاطوں کی یہ شہرت — رتبہ یہ ارسطو کو بھی تو نے ہی دیا ہے
کس خطۂ دنیا میں نہیں تیری حکومت — شاہوں کا سر آگے ترے ہر وقت جھکا ہے
مسکن ہے ترا سینۂ اربابِ صفا میں — تو منبعِ فیضِ علما و فصحا ہے
چلتا نہیں بے تیرے کوئی کام جہاں کا — ہر عقدۂ لاحل کا تو ہی عقدہ کشا ہے
گمراہ ہے خلق اگر تو ہو نہ رہبر — گر تو نہ کہے کس کو خبر کون خدا ہے
تمیز نہ ہو نیک و بدِ دہر میں کچھ بھی — تیری ہی بدولت ہے جو آنکھوں میں حیا ہے
جو تجھ سے ہے محروم اُسے کچھ نہیں حاصل — اُس کا نہ یہاں اور نہ عقبیٰ میں بھلا ہے

ہے فنِ تجارت میں وہاں کیسی ترقی
انجن تری حکمت کا جہاں دوڑ رہا ہے

ہے صنعت و حرفت میں بھی ممتاز وہی قوم
سو جان سے جو تیری اداؤں یہ فدا ہے

لیکن نہیں جس قوم کو کچھ تیری محبت
اُس قوم کا دنیا میں نگہبان خدا ہے

ہے منحصر اب نان شبینہ بھی تجھی پر
بے بہرہ ہے جو تجھ سے وہ بے برگ و نوا ہے

وہ ڈوب گیا چاہ ضلالت میں سراسر
جو تشنہ ترے چشمۂ حیواں سے بھرا ہے

جرگہ ہے کمینوں کا اگر تو نہیں شامل
جس بزم میں تو ہے وہی بزم شرفا ہے

جس نے تجھے چھوڑا وہ گیا دونوں جہاں سے
بے دین ہے رسوائے زمانہ ہے بُرا ہے

چکھ ذائقۂ علم خدا کے لیے فانی
ایسا تجھے کیا اپنی جہالت میں مزا ہے

دُنیا اور دُنیا کے دوست

(قبل ۱۹۰۶ء)

دنیا سے کچھ نہ پوچھو کیوں سرگرانیاں ہیں
یاروں سے ہمدموں سے کیوں بدگمانیاں ہیں

اس باغ میں ہیں سارے مرجھانے والے پودے
شادی و غم کے جھگڑے جھوٹی کہانیاں ہیں

ہے عمر چند روزہ پانی کا بلبلا سا
عالم ہے خواب کا سا یا نوجوانیاں ہیں

یاں ہم نے جس کو پایا اپنی غرض کا پایا
یہ داغ دوستوں کی دل پر نشانیاں ہیں

ثابت ہوئیں وہ آخر غمازیاں سراسر
ہم جن کو جانتے تھے یہ رازدانیاں ہیں

کرتے تھے فخر جن پر ہم مہرباں سمجھ کر
کیا کیا نہ اُن سے ہم پر نامہربانیاں ہیں

کیا کیجیے شکایت ہے دہر جائے عبرت
جیتے ہیں اور جب تک یہ سخت جانیاں ہیں

دارِ فنا

(قبل ۱۹۰۶ء)

ہوتے آئے ہیں اس دنیا میں | اکثر مال خزانے والے
دارا جم اسکندر کیا تھے | آنے والے جانے والے
کھو بیٹھے اب نام ونشاں تک | شوکت وشان دکھانے والے
خاک ہوئے تو خاک میں مل کر | خاک سے بچ کر جانے والے
ہوگئے اب روباہ سے کمتر | شیر سے آنکھ ملانے والے
کٹ گئے اکثر موسمِ گل میں | نخل جو تھے پھل لانے والے
ہردم زلف بنانے والے | آئینے والے شانے والے
عطر پہ عطر لگانے والے | جوبن پر اترانے والے
چل کے قیامت ڈھانے والے | حشر کو چال سکھانے والے
کوئی نہ ٹھہرا وقت جب آیا | چل دیے آخر جانے والے
جو نہ گئے وہ جا کے رہیں گے | سب ہیں مسافر خانے والے
دولت، ثروت، عزت، حشمت | چھوڑ گئے سب جانے والے
ساتھ بہت کچھ لے گئے لیکن | کام میں وقت لگانے والے
تج بیٹھے جو عمر کی دولت | اب نہیں ہرگز پانے والے

دارِ فنا ہے دنیا فانیؔ
آنے والے ہیں، جانے والے

نظم بہ تقریبِ جلسہ سالانہ

(اُردوئے معلیٰ کالج علی گڑھ ۱۹۰۲ء)

ایک دن فانی سے اُردوئے معلیٰ نے کہا
سچ بتا کچھ تو بھی واقف ہے مرا رتبہ ہے کیا

کہہ کے اتنا خود ہی فرمایا کہ تجھ کو کیا خبر
جانتی ہے نظم و نثرِ ہند میرا مرتبا

میرے دم سے نونہالانِ بلاغت بارور
میرے گلزارِ فصاحت کی فضا ہے جانفزا

سکۂ رائج مضامیں ہیں تو میں ٹکسال ہوں
گر خبر ہے نغمۂ دلکش تو میں ہوں مبتدا

نام میری بندشِ الفاظ کا دل بستگی
وصف میری شورشِ تحریر کا ہنگامہ زا

آبِ حیواں ہوں اگر ہے نظم عمرِ جاوداں
دُرجِ گوہر ہوں اگر ہے نثر لعلِ بے بہا

میری صبحِ نظم میں حسنِ صبیحی کی جھلک
میری شامِ نثر میں حسنِ ملیحی کی ادا

میرے فقرے تیر و نشتر میرے جملے دل گداز
میرے نغمے دلستاں میرے ترانے دل ربا

میرے نقطے ذرہ ہائے ریگِ صحرائے امید
حرف میرے نقشِ دامانِ قبائے مدعا

میری بزمِ خاص میں کیا طبعِ موزوں کی بساط
جس میں خاک فرشِ پا انداز ہے ذہنِ رسا

سن کے اُردوئے معلیٰ کی تعلی اس قدر
پہلے فانی مسکرایا پھر ادب سے یوں کہا

جو ہوا ارشاد وہ بالکل بجا یکسر درست
ہے مگر اپنی زباں سے مدح اپنی ناروا

اس پہ فرمایا تعلی یہ نہیں یہ ناز ہے
اُن بزرگوں پر جو حامی ہیں مرے صبح و مسا

وہ کہ ہیں سرگرمِ تکمیلِ زباں آٹھوں پہر
وہ کہ جن کا ورد ہے میری ترقی کی دعا

چین سے رہنے نہیں دیتا انھیں میرا خیال
دم نہیں لیتے گھڑی بھر چین سے رہنا تو کیا

دیکھنا ہو گر مثال اس شوقِ نامحدود کی — دیکھ جا کر جلسۂ دربارِ سالانہ مرا

جمع ہیں اہلِ سخن اور قدر دانِ سخن — ہے چمن میں نغمہ سنجانِ چمن کا جمگھٹا

نظم کے چبھتے ہوئے اشعار تیر و نیشتر — نثر کے چلتے ہوئے الفاظ خنجر سے سوا

نثر کی رنگینیوں پر غلغلے تحسین کے — نظم کے جادو بھرے نغموں پہ شورِ مرحبا

حسرت آگیں حسرتِ معجز بیاں کا حرف حرف — سربسر اغکمر ہے شعرا نگر جادو نوا

تو بھی ہو جانا شریکِ بزم گوشہ میں کہیں — ہے یقیں مل جائے گی تجھ کو صفِ آخر میں جا

کچھ بھی استعدادِ شعری ہو اگر حاصل تجھے — شعر کہنا تجھ کو آتا ہو اگر اچھا برا

نذر کرنا خدمتِ احباب میں دو چار شعر — برگ سبزے بس بود از تحفۂ عجزِ گدا

سن کے اتنا فانیٔ ناچیز کو جرأت ہوئی
اور یوں تعمیلِ ارشادِ زباں کرنے لگا

متفرقات

غزل[1]

بے طرح ہم چپ ہوئے ہیں جانے کیا کہنے کو ہیں — شاید اب رازِ خموشی بر ملا کہنے کو ہیں
آزما کر حالِ دل ایمان لاتے ہی بنا — ہم سمجھتے تھے کہ کاہ و کہر کہنے کو ہیں
موت کو ہم پیار سے کہتے ہیں اپنی زندگی — زندگی کو آفتِ صبر آزما کہنے کو ہیں
مل چکا روزِ قیامت خونِ ناحق کا عوض — وہ دعائے مغفرت کو خوں بہا کہنے کو ہیں
شکوۂ غارت گری ہائے تغافل کیا کریں — ہم کہ رہزن کو بھی خضرِ رہنما کہنے کو ہیں
کون تھا یارب نمک پاشِ جراحت ہائے دل — زخمِ دامن دار کو ہم با مزا کہنے کو ہیں

اور پڑھ فانی اسی دھن میں کوئی تازہ غزل
نکتہ پردازانِ محفل مرحبا کہنے کو ہیں

رندِ رمز پارسائی بے ریا کہنے کو ہیں — جو فروشِ زہد کو گندم نما کہنے کو ہیں
حسرت اے شوقِ شہادت عبرت اے قاتل کہ ہم — نخلِ ماتم کو نہال مدعا کہنے کو ہیں
داستانِ دل نہیں ہے آپ سنیے تو سہی — ہم جفائے آسماں کا ماجرا کہنے کو ہیں
اس سے کہیے جس نے اندازِ جفا دیکھا نہ ہو — جذبِ دل اور وعدۂ روزِ جزا کہنے کو ہیں
تا کجا یہ دلفریبی اے امیدِ جاں بری — چارہ گر اب دردِ دل کو لا دوا کہنے کو ہیں
پردہ داری چاہیئے خوئے فلک کی ورنہ ہم — کشتیِ غم کا خدا کو ناخدا کہنے کو ہیں

ہرزہ گوئی ختم کر اے فانیِ آشفتہ سر
اور ابھی کچھ شاعرانِ خوش نوا کہنے کو ہیں

---

[1] یہ غزلیں نون کی ردیف میں بھی شامل ہیں۔

عرض حال

یاد ایام عیشِ برنائی
ہم ہیں اب اور کنج تنہائی

نہ رہی آرزوئے صبر شکن
اب نہیں حسرت شکیبائی

سر نظارۂ جمال نہیں
اپنے ہم آپ ہیں تماشائی

بھول بیٹھے ہم اک زمانہ ہوا
محفل آرائی و خود آرائی

دل کہ تھا آشنائے ذوق نظر
ہم کہ تھے وصل کے تمنائی

ہم وہی، دل وہی سہی لیکن
نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی

اب نہ وہ آہ دم بدم کا ہجوم
اب نہ وہ غم کی کارفرمائی

فرصت شوق ہے نہ رخصت ہوش
کوچہ گردی نہ دشت پیمائی

لحن بلبل جگر خراش ہے اب
نہیں بھاتی گلوں کی رعنائی

دل ہی مرجھا گیا نہ ہو اپنا
کہ چمن میں تو ہے بہار آئی

کیجیے اب وداعِ سیرِ چمن
خار ہے وہ کلی جو مرجھائی

آ اب اے مرگ ناگہانی آ
سخت مضطر ہیں تیرے شیدائی

چارۂ دردِ زندگی تو ہے
کر اگر ہو سکے مسیحائی

فانیؔ تلخ کام کی امید
تو اگر آ گئی تو بر آئی

مذمت غمازی

ایک غماز سے کسی نے کہا
سچ تو کہہ ہے تری یہ عادت کیا

کیوں اِدھر کی اُدھر لگاتا ہے
فائدہ آخر اس میں کیا ہے ترا

بیج بوتا ہے کیوں فساد کے تو
نہیں آتا سمجھ میں کچھ اصلا

تو نے لڑوا دیا ہزاروں کو
کر دیے دوست دوستوں سے جدا

تیری باتیں ہیں یا پیامِ اجل
ہے زباں تیری یا کہ پیکِ قضا

ہو گئے سیکڑوں کے گھر برباد
اک اشارے میں تیرے کیا نہ ہوا

موجِ زہرآب ہے زباں تیری
تیرے شربت میں زہر کا ہے مزا

خوئے بد کیا ترے خمیر میں ہے
تیری طینت میں خبث ہے کتنا

اچھے دل کر دیے بُرے تو نے
تیری آمد ہے یا نزولِ بلا

تو ہے غمازیوں میں غیبت میں
ہمزباں ہم خیالِ شیطان کا

لاکھ احساں کسی کے ہوں تجھ پر
تو کسی سے کبھی نہیں چوکا

چھید اُنھیں ہانڈیوں میں کرتا ہے
جن میں سو بار تو نے کھایا تھا

باپ بھائی کہ دوست کوئی ہو
تیرے ہاتھوں سے کب کوئی ہے بچا

دوست بن بن کے راز لوگوں کے
پوچھ لینا ہے تھا میں شیوہ ترا

پاس غیرت نہیں تجھے کہ کبھی
چغلیاں کھا کے تو نہ شرمایا

تو نے کیوں اختیار کی ہے یہ خو
آخر اس کا کوئی سبب تو بتا

سن کے غماز نے دیا یہ جواب   تو نے شاید نہیں یہ شعر سنا

نیشِ عقرب نہ از پئے کیں است
مقتضائے طبیعتش ایں است

میرے اشعار بد اخلاقی غمازی پر   سن کے جو مجھ سے بگڑ جائے اسے کیا کہیے
اس کو دیوانہ مری نظم کو ہجو کہیے   فرض   یا اسے چور کی داڑھی اسے تنکا کہیے

در مدح

(۱۹۳۳ء)

اعلیٰحضرت قدر قدرت، سکندر شوکت، دارا حشمت، فریدون منزلت، ہز اگزالٹڈ ہائینس
آصف جاہ سابع حضور پُرنور نواب میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ سلطان العلوم
جی۔سی۔ایس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای، شہریارِ دکن

شاہ عثماں آصف سابع امیر المومنین
سچ تو یہ ہے آبروئے ملک و ملت تجھ سے ہے

تو ہے سلطان المعانی تو ہے سلطان العلوم
علم کی زینت ادب کی قدر و قیمت تجھ سے ہے

غیرت بغداد و رشک قرطبہ ہے آج کل
وہ دکن سارے جہاں میں جس کی شہرت تجھ سے ہے

تیرے دم سے آج بھی روشن ہے حکمت کا چراغ
آج بھی آباد بزم اہل ہمت تجھ سے ہے

گو ہماری پستیاں دنیا میں ہیں ضرب المثل
پھر بھی اپنی پستیوں میں شان رفعت تجھ سے ہے

حیف ان پر جو ترے دامن سے وابستہ نہیں
وہ مبارک قسمتیں ہیں جن کو نسبت تجھ سے ہے

کس کے دل میں درد ہے ارباب علم و فضل کا
ملک میں اہل ہنر کی آج عزت تجھ سے ہے

جو ہوا ہی چاہتی تھی کل حوادث کا شکار
اس زباں میں اب زباں بننے کی قدرت تجھ سے ہے

اللہ اللہ یہ ترا ایثار یہ غمخواریاں
مختصر یہ ہے کہ آج انساں عبارت تجھ سے ہے

ہے ترا حامی خدا حامی ہے تو مخلوق کا
تو سلامت رہ کہ آن اپنی سلامت تجھ سے ہے

تو سراپا فیض ہے عالم ہے دل دادہ ترا
ایک فانیؔ کیا زمانے کو عقیدت تجھ سے ہے

قطعہ دیگر

(۱۹۳۳ء)

اے فلک تو ہی کامیاب سہی   میری حالت بہت خراب سہی
نہ سہی زندگی حریفِ نشاط   میری ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوقِ نظر   میری آنکھیں بغیر خواب سہی
سر میں اک شورشِ تلاشِ قرار   دل میں اک جوشِ اضطراب سہی
میری ہر سعی سعیِ نامشکور   میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل   میں سزاوارِ اجتناب سہی
ننگِ ہستی وجود ہو جس کا   میں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہو بے سبب بیزار   میں ہی وہ درخورِ عتاب سہی
نہ سہی میری بے کسی کا جواب   آپ اپنا ہی میں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکون یک ساعت   ہر نفس صرفِ انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر   ذرّے ذرّے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ   بے شمار اور بے حساب سہی
کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات   لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ نازکیوں ہے تو پھر   یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی

بندۂ بارگاہِ عثماں ہوں
ذرّۂ خاکِ راہِ عثماں ہوں

شاہِ ذی جاہ شہریارِ دکن   صاحبِ تاج تاجدارِ دکن

آصف سابع و نظام الملک — کار فرمائے روزگار دکن
تو ہے سلطان ذی وقار علوم — تو خداوند اقتدار دکن
تیرے دم سے ہے بزم عیش آباد — تیری ہستی ہے اعتبار دکن
تو ہے سرچشمۂ ہزار اعزاز — تو ہے سرمایۂ بہار دکن
تیری تقدیر سازگار مراد — تیری تدبیر سازگار دکن
چشم بد دور مرجع آفاق — نازش ہند و افتخار دکن
تیری ایک ایک بات اک اک کام — مژدۂ راحت و قرار دکن
جن مراعات کی نظیر نہیں — وہ مراعات ہیں بہ کار دکن
تو نے کایا سی کچھ پلٹ دی ہے — چمنستاں ہے کوہسار دکن
ہیں تری سرفرازیوں کے گواہ — قصر و ایوان زرنگار دکن
جم گئی جس طرف نگاہ گئی — عین منزل ہے رہگزار دکن
شاہ عثماں تجھے مبارک ہو — وسعتِ دولتِ دیارِ دکن
فیضِ جاری ترا شعار رہے — جاں نثاری رہے شعارِ دکن

مجھ کو نسبت تری جناب سے ہو
وہ جو ذرّے کو آفتاب سے ہو

بتقریب جشن سالگرہ

رشتۂ عمر دراز شاہ کی اک اک گرہ
فالِ صد نُصرت ہو یا رب شاہ ذی شاں کے لیے
ہر گرہ میں یوں ہی مضمر ہو کشودِ کارِ خلق
ہر برس لائے یہی دن میرِ عثماں کے لیے

بتقریب سالگرہ سر سید احمد خان بہادر

معرفت نفس

(۱۹۳۶ء)

ادھر نگاہ ہے محو تصرفات جمال
ادھر جمال تصور فریب و دیدہ فروش

نہ اعتبار شہود اور نہ غیب سے انکار
نہ عاقبت کی خبر اور نہ زندگی کا ہوش

مگر بایں ہمہ عظمت یہ جانتا ہوں کہ میں
وہ ذرہ ہوں جو ازل سے ہے کائنات بدوش

نہ میری فکر کو لازم ہے اعتراف وجود
نہ میری سعی کو در کار ہست و بود کا ہوش

میرا کلام ہے بیگانۂ اشارہ و حرف
میرے پیام کا حامل سکوت ہے نہ خروش

یقیں ہے میری تدبیر غم میری تقدیر
ہر ابتلا ہے مجھے یاد دوست کا آغوش

یہ سب دیا تو خدا وہ زباں وہ دل بھی دے
جو دل گلہ نہ کرے جو زباں رہے خاموش

بہ تہنیت یافتن خطاب راجہ بہادر

بمن زراجۂ ارجن کمار داد قبول — زمن بخواجۂ من ایں دعا مبارک باد
زحق ہر آنچہ خوش است وزشاہ از سر لطف — خطابِ راجہ بہادر ترا مبارک باد

۱۹۳۴ء

نوٹ :۔ یہ قطعہ اُس موقع پر لکھا گیا تھا جب کہ راجہ ارجن کمار خواجہ پرشاد خلف ہز ایکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت آنجہانی صدر اعظم سابق دولت آصفیہ کو بندگان عالی متعالی نے خطاب "راجہ بہادر" سے سرفراز فرمایا تھا۔

نامہ ہائے منظوم

ماہ مئی ۱۹۳۲ء

بگرامی خدمت ہز ایکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر المتخلص بہ شادؔ

صدر اعظم دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

اے مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد شادؔ
واسطہ اس بے کسی کا جس کو نسبت مجھ سے ہے

واسطہ اس جبر کل کا جس سے خلقت ہے مراد
واسطہ اس عجز کل کا جو عبارت مجھ سے ہے

واسطہ اس شان رفعت کا جو حاصل ہے تجھے
واسطہ ان پستیوں کا جن میں رفعت مجھ سے ہے

واسطہ ارباب فن کی کس مپرسی کا تجھے
تجھ کو اس فن کی قسم اب جس کی عزت مجھ سے ہے

جس میں سودا شعر فانیؔ کا ہے اس سر کی قسم
ہاں اور اس دل کی قسم جس کو محبت مجھ سے ہے

جس سے میں بیزار ہوں اس زندگانی کی قسم
اس جوانی کی قسم اب جس کو نفرت مجھ سے ہے

کیوں نہیں ملتا مجھے میرے کسی خط کا جواب
کچھ تو ہو معلوم آخر کیا شکایت مجھ سے ہے

اس تغافل کا سبب یہ کج ادائی کس لیے
اس قدر بیزار کیوں تیری عنایت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ مفلس ہوں تونگر میں نہیں
میں نے یہ مانا کہ کوسوں دور ثروت مجھ سے ہے

میں نے یہ مانا کہ حاجت مند ہوں محتاج ہوں
میں نے یہ مانا بہت برگشتہ قسمت مجھ سے ہے

ہر ہنر سے میں نے یہ مانا کہ میں بیگانہ ہوں
کسب زر کو میں نے یہ مانا عداوت مجھ سے ہے

میں نے مانا دشمن اب روتے ہیں میرے حال پر
میں نے مانا دوستوں کو درس عبرت مجھ سے ہے

میں نے مانا اس زمیں پر بار ہے میرا وجود
میں نے مانا ایک عالم کو اذیت مجھ سے ہے

کچھ سہی لیکن یہ ممکن ہے کہ تو بھولے مجھے
یاد ہے تیرا جو پیمانِ مروت مجھ سے ہے

مجھ پہ تو احساں کرکے اور بھولنا چاہے تو خیر
میں نہ بھولوں گا جو تیرے در کو نسبت مجھ سے ہے

بنام حافظ امام الدین امام اکبرآبادی

ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء
از حیدرآباد دکن

مشفق و مہرباں جناب امام — خط ملا بعد انتظار تمام
خط کے ہمراہ یہ پیام بھی تھا — یاد ہے دوستوں کو تیرا نام
لیکن اس نامۂ محبت نے — زخم دل پر کیا نمک کا کام
چاہتا ہوں کہ تم کو لکھ بھیجوں — ماجرائے ضروری الارقام
گرچہ تھی صبح آگرہ بے نور — اوج پر تھا مگر ستارۂ شام
اور پہنچنا ہی چاہتا تھا مجھے — حسن اول کا آخری پیغام
کہ یکایک فلک نے کروٹ لی — اور کیا فتنہ جو نے اپنا کام
سیکڑوں کوس آگرے سے دور — پھینک کر بھی نہیں لیا آرام
دل احباب سے بھی دور کیا — بند کی راہ نامۂ و پیغام
حیدرآباد ہے اب اور ہم ہیں — دیکھنے کو بھی وہ سحر ہے نہ شام
کون غربت میں غمگسار غریب — کس کو پردیسیوں کے کام سے کام
جوش و آزاد نے کسی حد تک — کی تلافیٔ گردشِ ایام
تھی مگر پھر بھی کس کے بس کی بات — حیدرآباد میں یہ طولِ قیام
ہاں مگر ایک ذات اور صرف ایک — دوسرا ہو تو لوں میں اس کا نام
وہ مہاراجہ سرکشن پرشاد — منبعِ جود و مصدرِ اکرام

جس کے در سے نہیں کوئی محروم — جس کے دم سے ہے لطفِ خاص بھی عام
یہ وہ ہستی ہے جس کے فیض سے ہے — کوئی دن اس دیار میں بھی قیام
اس کا اقبال اس کے دولت و عمر — سب کو اللہ دے ثبات و دوام
یہ ہے روداد ابتدائے سفر — اب جو اس ابتدا کا ہو انجام
یاد رکھیے دعائے خیر کے ساتھ — اک سلام اور بعد ختم کلام

ہاں مگر اک سلام شوق ہے اور
بامید جواب شوق و سلام

سہرا[1]

ہو مبارک سرِ نوشہ پہ معطر سہرا
فصلِ گل لائی ہے پھولوں میں بسا کر سہرا

شاہدِ صنعتِ صناعِ ازل ہے ہر پھول
حسنِ کامل کا مرقع ہے سراسر سہرا

آسماں آج ترے گھر کی زمیں ہے یعنی
رُخ ترا ماہ ہے مجموعۂ اختر سہرا

تیرے جلوے کی نہ تھی آئنہ داری آساں
آخر اس کام کا سہرے کے رہا سر سہرا

خود صفائے رُخِ نوشاہ کی سہرا ہے دلیل
سہرے کے عکس سے منھ پر ہے مکرر سہرا

سہرا اور سہرے کے پھولوں کی حقیقت معلوم
ترے سر چڑھ کے ہوا کانِ جواہر سہرا

فانیؔ ہیچ مداں اور یہ جرأت - توبہ
یادِ ایام کہ لکھتے تھے سخنور سہرا

---

[1] یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ سہرا کس کے لیے لکھا گیا تھا۔

قطعہ

بتقریب شادی نواب نصر اللہ خاں بہادر[1]

خلف

ہز ایکسلنسی راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر دام اقبالہٗ

مقدر کی بدولت آج پہنچا ہے کہاں سہرا
کہ ہے اوج آشنائے فرق نصر اللہ خاں سہرا

فروغ طالع بیدار ہے پھولوں کے سہرے میں
شعاع مہر سے قیمت میں ٹھہرا ہے گراں سہرا

مسخر کر لیا سہرے نے نظروں کو کر سہرے سے
یدھر پلٹیں اُدھر سہرا جہاں ٹھہریں وہاں سہرا

یہ ہندلف حال کا شانہ ہے مستقبل کا آئینہ
محبت کی سند سہرا وفا کا امتحاں سہرا

مبارک شاؔد نوشاہ کے سہرے کا یہ عالم
نئی کلیاں نئی لڑیاں جواں موسم جواں سہرا

مبارک ہو مرے نواب نصر اللہ خاں تجھ کو
تری امید کی دنیا کا پہلا آسماں سہرا

نہ زعم خوشنوائی ہے نہ دعوے خوش بیانی کا
ترا اقبال ہے ورنہ کہاں فاؔنی کہاں سہرا

---

[1] نصر اللہ غالباً مہاراجہ کے کسی بیٹے کی عرفیت ہے۔

قطعہ

جو سرسید احمد خاں مرحوم کے یوم وفات کی یاد تازہ رکھنے کے سلسلہ میں بمقام حیدرآباد جلسہ اولڈ بائز میں پڑھا گیا

جو شمع علم مغرب سید نے کی تھی روشن
بکھری ہوئی ہیں جس کی کرنیں ہر انجمن میں

اس شمع علم و فن کی کچھ منتشر شعاعیں
یارانِ بزم تم ہو اس گوشۂ دکن میں

لیکن یہ یاد رکھو سچی شعاع وہ ہے
آنکھوں کا نور بن کر پھیلے جو مرد و زن میں

جو شمع سے نکل کر دنیا کو جگمگا دے
جو روح تازہ پھونکے ہر پیکر کہن میں

ماحول کے اثر سے آئے نہ فرق لازم
گلزار کی کرن اور کہسار کی کرن میں

اور یہ نہیں تو پھر تم مٹی کا وہ دیا ہو
افسردہ نور جس کا محدود ہو لگن میں

سید سے نسبتوں کے دعوے تو سچ ہیں لیکن
اک پہلوئے عمل بھی درکار ہے سخن میں

قطعہ تاریخ وفات

نواب رضا نواز جنگ مرحوم

ہاتفِ غیب چوں مرا دعوتِ کشف راز داد
گفتمش از جہانِ خویش گفت فریب بوئے ورنگ
گفتمش از سکونِ دل گفت رضائے او بہ برُد
گفتمش از عدم بگفت ۔ راہِ رضا نواز جنگ

۱۳۴۴ ف

قطعہ تعزیت

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ آنجہانی

(۱۹۴۰ء)

اے مہاراجہ بہادر! اے یمین السلطنت
تو مجسم خیر تھا انساں[1] عبارت تجھ سے تھی

اب کہاں رسم مروت اور کہاں ہندوستاں
آج بھی باقی یہاں رسم مروت تجھ سے تھی

اس زمانے میں کہ ہے معیار عزت سیم و زر
بینوائی میں بھی ہم جیبوں کی عزت تجھ سے تھی

جس شرافت کی اداؤں پر رہا مشرق کو ناز
اُٹھ گئی اب وہ شرافت وہ شرافت تجھ سے تھی

بزم ارباب ادب اجڑی ہوئی محفل ہے آج
بزم ارباب ادب کی ساری زینت تجھ سے تھی

زندہ رکھا تھا سخاوت سے تو خود حاتم کا نام
اور تیرے دور میں زندہ سخاوت تجھ سے تھی

دل سے تیری یاد ہرگز محو ہو سکتی نہیں
اب بھی فانیؔ کو وہی ہے کل نسبت تجھ سے تھی

---

[1] غالباً "انسان" کی جگہ "جگی" یا کوئی دوسرا لفظ ہوگا۔

بروفاتِ امیر مینائی

نہ جائے گا دلِ پُر درد سے خیالِ امیر　　رہے گا حشر کے دن تک ہمیں ملالِ امیر
نہیں ضرورتِ توصیفِ خوش مقالِ امیر　　کلام خوب ہے خود شاہدِ کمالِ امیر
سخن چمن ہے تو مرحوم باغبانِ چمن　　چمن ہے سبزہ تو ہے وقفِ پائمالِ امیر

کتبہ قبر فانی

اس دار فنا میں تھا جو بدنام حیات
اک عمر رہا مورد الزام حیات
فانی جس کی حیات تھی حسرتِ مرگ
اس خاک میں دفن ہے وہ ناکام حیات

قطعہ تاریخ دیوان فانیؔ [1]

یہ دفترِ دردِ عشق یارب — مقبولِ جہاں رہے شب و روز
ہر زمزمہ ہر ترانہ اس کا — ہے دردِ جگر سے بہرہ اندوز
لکھنا ہے جو سالِ طبعِ فانیؔ
لکھ دیجیے نغمۂ جگر دوز
۱۳۳۵ھ

---

[1] سال ۱۳۳۵ھ میں دیوان طبع کرانے کا خیال پیدا ہوا قطعہ تاریخ لکھ ڈالا۔ اب یہ قطعہ تاریخ سال طبع کا نہیں بلکہ خیال طبع کا رہ گیا ہے۔ فانیؔ

باغ نشاط کشمیر

اے یادگاہ عہد جہاں گیر اے نشاط — اے بزم عیش رفتہ کی الٹی ہوئی بساط
اے مدفن شکستۂ پارینہ انبساط — دھندلا سا حسن و عشق کا ایک نقش ارتباط

کشمیر میں تو اب بھی ترا نام باغ ہے
تو ورنہ کائنات کے سینے کا داغ ہے

مانا کہ گل فروش کا دامن ہے اب بھی تو — گلہائے رنگ رنگ کا مخزن ہے اب بھی تو
مانا کہ عندلیب کا مسکن ہے اب بھی تو — بہکی ہوئی نگاہ میں گلشن ہے اب بھی تو

جاری ہے رسم آمدِ فصلِ بہار کی
ٹوٹی نہیں ہے آج بھی لے آبشار کی

چشمے بلندیوں سے اُبلتے ہیں آج تک — ہر منزل نشیب پہ ڈھلتے ہیں آج تک
فوارہ ہائے آب اُچھلتے ہیں آج تک — تجھ میں درخت پھولتے پھلتے ہیں آج تک

لیکن نشاط تجھ میں وہ تیری سی بو نہیں
جس میں سلیم و نورجہاں تھے وہ تو نہیں

تماشائے بہار

(۱۹۰۶ء)

آج احباب کا اصرار تماشائے بہار | لے گیا فانی دل خستہ کو سوئے گلزار
یک قلم، صفحۂ عالم نظر آیا رنگیں | کلک قدرت نے بنائے تھے عجب نقش و نگار
واہ رے سبزۂ نورستہ کی جادو رقمی | خط گلزار بنا۔ آج ہر اک خطِّ غبار
سب ہیں نظارہ فریب، آج نشیب اور فراز | سبزہ وآب سے شاداب یہ ہے، وہ سرشار

ہے، یہ پرجوش وخروش، آبِ رواں جمنا
ہوگیا سبزۂ خوابیدۂ ساحل، بیدار

سرگذشت ناندیر

سرگزشت غم تنہائی ناندیر نہ پوچھ
میں وہاں ہوں کہ جہاں میں بھی ہوں کچھ آپ سے دور

جس طرف دیکھیے اک عالم ہو کی تصویر
جس طرف جائیے وحشت سے فضائیں معمور

صبح سے شام غریبی کی بلاؤں کا نزول
شام سے گور غریباں کی خموشی کا ظہور

میں وہ معتوب ہوں جس پر کھلا راز عتاب
میں وہ مجرم ہوں کہ ثابت نہ ہوا جس کا قصور

اور جو مجرم ہوں نہ معتوب تو کیا یہ سمجھوں
بے گناہی کے عوض بھی ہے سزا کا دستور

میں کہ اک عمر سے ہوں خادم ارباب کمال
میں کہ اک عمر سے ہوں جہل کے سائے سے نفور

میری سرگرمیٔ خدمت کی یہ ادنیٰ ہے دلیل
کہ ہے دنیائے ادب میں مری خدمت مشہور

حیف جب سعی کو میدان عمل ہو درکار
اور تقدیر سے وہ سعی رہے نامشکور

زندگانی ہے یہاں گرچہ نہایت دشوار
حکم ارباب قضا سے ہوں بغایت مجبور

اور کچھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ناندیر غریب
اثر صحبت فانؔی سے نہیں ہے مسرور

اب سے بدنام ہوا مجلس فانؔی بن کر
گردوارے کی بدولت جو ہوا تھا مشہور

نوٹ :۔ یہ نظم اس وقت لکھی گئی تھی جب میرا تبادلہ حیدرآباد سے ناندیر ہوا تھا۔
فانؔی

قطعہ نظام الاوقات خود

فانیؔ کے اب اوقات نہ پوچھو کہ وہ اس سال بستی میں ملے گا نہ بیاباں میں ملے گا
محراب میں پاؤ گے نہ میخانے میں اس کو مسجد میں نہ وہ حلقۂ رنداں میں ملے گا
البتہ وہ ناواقفِ اسرارِ حکومت ناندیڑ کے اک گوشۂ ویراں میں ملے گا
دن رات وہ دیوانۂ خودداری و غیرت آغوشِ غم و پہلوئے حرماں میں ملے گا
وہ نور کا تڑکا ہو کہ ہو تیرگیٔ شام جب دیکھیے وہ کلبۂ احزاں میں ملے گا
جب دیکھیے وہ طوقِ غلامی سے گرانبار اندوہِ معیشت ہی کے زنداں میں ملے گا

گو راہِ خطا سے نہیں ہٹتا قدم اُس کا
سر شرمِ معاصی سے گریباں میں ملے گا

یاد[1]

ایک انگریزی نظم کا منظوم ترجمہ

۱۹۳۰ء

میں ہوں فسردہ اک کلی گزری ہوئی بہار کی
جدول دل فریب ہوں صفحۂ روزگار کی
درد بھری اک آہ ہوں قلبِ امیدوار کی
خاک ہوں میں جلی ہوئی عشق کے شعلہ زار کی

یاد بھی ہے میں کون ہوں؟

مرہم زخم ہائے دل چارۂ دردِ زندگی
غم بھی ہوں غم نصیب بھی راز بلند و پست بھی
جمع ہے میرے سائے میں دور کہن کی ہر گھڑی
میں ہی تو سجدہ گاہ ہوں ماضیٔ ناگذشتہ کی

یاد بھی ہے میں کون ہوں؟

---

[1] مطبوعہ نگار جولائی ۱۹۳۰ء بحوالہ فانی - حیات - شخصیت اور شاعری -

میں ہی ہنسی خوشی کے دن، میں ہی گھڑی ملال کی
میرا ہی طاق بے خودی، قبر ہے ہر خیال کی
خندۂ شاد کام ہوں، آہ شکستہ حال کی
میں ہوں صدائے بازگشت نغمۂ لازوال کی
یاد بھی ہے میں کون ہوں ؟

حلقۂ زلفِ شب ہوں میں سلسلہ سحر بھی میں
میں ہوں وجودِ کائنات، موت سے بے خبر بھی میں
میرا ہی نام کل بھی ہے، آج کا مستقر بھی میں
زیست بھی میں، فنا بھی میں خلد بھی میں سقر بھی میں
یاد بھی ہے میں کون ہوں ؟

ضمیمہ اوّل
غزلیات فارسی

۱

ساقی نمے از بادۂ دوشیں بہ جام است — زخمے است مرا در دل و مرہم نہ حرام است
خونم ہدر انگار کہ قاتل نہ شناسم — دانم کہ ادائیست و ندانم کہ کدام است
از جلوتیاں لذت عیش نگہے پرس — بر خلوتیاں فرصت نظارہ حرام است
دم در کش و دل خوں کن و ہر قطرہ بہ جوش آر — از نالہ مجو کام کہ ایں شیوۂ عام است
در مسلک ما لغزش پا خضر طریق است — از میکدہ تا کعبۂ کویش دو سہ گام است
نازم چمنے را کہ نیازم بہ قفس نیست — ہر غنچہ کہ دل می کشدم حلقۂ دام است

فانی ز حیات من آشفتہ چہ پرسند
مرگے ست کہ از ہستیِ جاوید پیام است

۲

ز حسن و عشق چو گویند داستان من است — غم تو جان من است و وفا جہان من است
شرار برق کجائی کہ گوشۂ قفسم — بہ التفات تو ارزد کہ آشیان من است
نیافتم ز حریمش نشان و نوبت کار — بہ دل رسید و ہماں سنگ آستان من است
ز حد خویش گزشتن بہ حد خویشم برد — ہر آں نشاں کہ بہ ذاتش وہم نشان من است
ز لطف دوست مرا نیمۂ نگاہ بس است — متاع خلد نہ جویم کہ رائیگاں من است

به غربتم که به هر قریه ام وطن پیداست به هر زمیں که شدم زیر آسمان من است
به رنج خستگیم بخش واز گناه مپرس
بگو که فانی عاصی ز خستگان من است

۳

افشاندن جان جز به حضور تو روا نیست در عهد غم هجر تو آئین فنا نیست
نازم به جمال تو که برق است و بلا نیست سازم به غم عشق که درد است و دوا نیست
غیب است شهودم ز دیار دگرستم عالم عدم ماست که از عالم ما نیست
کونین به ما عرضه نمودند و ندیدیم آغوش فضائے که به سودائے تو وا نیست
ناخواسته جاں بخشی و ناداده ستانی فارغ ز غم سیم و حاجت به دعا نیست
بگزار قفس راکه به پرواز درآید دارم سخنے با گل و راهم به صبا نیست
خواهاں کرم نیست پرستار کریم است
فانی بدرت ناصیه فرساست گدا نیست

۴

نور ز صبح وصال بخت سیاهم ربود جلوهٔ ناگاه دوست تاب نگاهم ربود
برق جمالش ز دل صبر به تاراج برد آنچه از و باز ماند شعلهٔ آهم ربود
شکوهٔ بختم چراست کام دلم چوں دهد ناشده شام وصال بیم بگاهم ربود
محرم راز است و هم رفتهٔ راز است دل گاه ربا بودم و مستی گاهم ربود
خیر عمل را منج باز بسیم به بخش عزم حرم داشتم دیر ز راهم ربود
از دل فانی چه گفت گفت که ما بُرده ایم
باز ز جاں گفتمش گفت که خواهم ربود

(۵)

بارِ خاطر بادم تلخیٔ غم از من پرس — صرفِ عیش بہ بادم شوخیِ رم از من پرس

خامہ راز بانستم لوح را نشانستم — حرفِ کن فکاں استم رازِ عالم از من پرس

محرمِ مثالم من نکتہ داں عالم من — آدمے ہم از من جوئے خلد را ہم از من پرس

نعمتے ست عیش اما نعمتے و پایانے — نعمتے ست بے پایاں لذتِ غم از من پرس

حسن بے تماشا را، عشوہ ہا تو می دانی
چشم بے تماشا را اشک بیم از من پرس

(۶)

بے خبر از تو چو اغیار منے ساختہ ام — سخنے ساختہ اند و سخنے ساختہ ام

حسن یک پرتوِ عشق است کہ از ما خیزد — منے ساختہ ام برہمنے ساختہ ام

دہر خلوت گہِ اسرارِ نہاں است ولے — از پئے دفعِ نظر انجمنے ساختہ ام

نقش ہا بستہ ام از خونِ شہیداں بچمن — ورق لالہ ز خونیں کفنے ساختہ ام

گنہے کردہ ام و عذرِ گنہ می بایست — حیلہ پرداختہ ام اہرمنے ساختہ ام

دل بہ ایمائے نظر جلوہ معین می خواست — کردہ ام طرح زمیں و زمنے ساختہ ام

ایں خطائیست کہ عفوم نہ کنندش فانی
کہ من از خاک بدایوں وطنے ساختہ ام

(۷)

دل را بہ نیم جنبشِ مژگاں فروختیم — دیوانہ مفت تست کہ ارزاں فروختیم

از ما حدیثِ گرمیٔ بازارِ گل مپرس — جیبے کہ داشتیم بہ داماں فروختیم

از آنِ ماست بے سر و سامانیے کہ ہست
سامان بہ عشق بے سر و ساماں فروختیم

۸

بر روئے اشک شرح عذابے نوشتہ ایم
رازیست آتشے کہ بہ آبے نوشتہ ایم

ایں فتنۂ جمال کہ گویند عالمیست
فصلے ز اعتبار حجابے نوشتہ ایم

یارب بہ نامۂ علم خردہ مگیر
فرہنگ حرف ہوش بہ خوابے نوشتہ ایم

مہر فنا بہ لب زدم و دیدہ دوختیم
آداب انتظار جوابے نوشتہ ایم

از راحت زمانہ جراحت عبارتست
آبے نوشتہ اند و سرابے نوشتہ ایم

داغے بہ دل سپردم و دوزخ بہ جاں داغ
تاریخ روزگار شبابے نوشتہ ایم

فانی دریں صحیفہ امکاں بہ نام تو
ہر جا کہ ہست خانہ خرابے نوشتہ ایم

۹

حیف است در فراق تو مسرور زیستن
آوخ بہ یاد چشم تو مخمور زیستن

از بخت واژگوں بہ دل و دیدہ ام رسد
با مژدۂ وصال تو مہجور زیستن

از ما ہر آنچہ رفت نہ از ما بود کہ بود
مقدور عارفاں تو مجبور زیستن

در ہا کشودۂ بہ من از فقر و از غنا
مائیم و شاد مردن و رنجور زیستن

کج کن کلاہ خسروی دل بہ رغم ہوش
سہل است ہمچو قیصر و فغفور زیستن

از ما مجو نشان ز سرور و سرور ہوش
از ما مخواہ زیستن و دور زیستن

نازم بہ تکیہ کردن فانی بہ لطف دوست
اے وا غیور مردن و مغرور زیستن

۱۰

دے دارم بجوں غلطیدۂ از جور بے نامے
خود آرائے و خود بینے خدا وندے و خود کامے

بہ ذکرش صبح ما سینا بہ فکرش شام ما ایمن
مرا صبحے است و ہم شامے خوشا صبح خوشا شامے

بعنوانِ نفس رنجے ز غیبم می رسد اما | بہر فرمان فہیم می رسد از دوست پیغامے
قفس پروردہ و نا آشنائے آشیا نستم | بمرغان چمن انداز صلائے دانہ دوامے

خراب لطف دہنگامیم آہ از حال ما فانیؔ
کرم وابستۂ لطفش اجل موقوف ہنگامے

۱۱

فتنۂ عشق بہ دلہا سر زد | حسن عالم بہ تماشا ارزد
طالعم گردش افلاک بسوخت | اختر مارہ صد اختر زد
غم او خوں دل از اشکم ریخت | نشتر آورد و رگ گو ہر زد
عندلیبے کہ نوالیش دادند | بہوائے چمن ما پر زد
مغفرت حیلہ تقاضا می کرد | رحمتش قرعہ بہ چشم تر زد
شرر عشق کہ شعرش نامند | زدلم جست و بہ جانہا در زد

فانیؔ از دیر و حرم ہم بگست
دوش دیدم کہ در دیگر زد

یارب صلۂ رنج فراوانم کو | تعبیر حیات خواب سامانم کو
کو جلوہ کہ جاں نذر لقائے تو کنم | قربانِ تو عید عید قربانم کو

خاک پائے بندگان درگہ عشقیم ما | ہر کجا صیدے بدام اوست صیاد من است
می ندانم تا بہ محشر اعتبار سجدہ چیست | ایں قدر دانم کہ ہیچ است و جبیں زادِ من است

ضمیمہ دوم

تراکیب فانی

الف

آزردۂ آویزش شبنم	آزردۂ آویزشِ شبنم نہ ہوا تھا
آزردۂ وہم مسرت	میں وہ آزردۂ وہمِ مسرت ہوں معاذاللہ
آزادیٔ بے ہنگام	حیف اس آزادیٔ بے ہنگام کی مجبوریاں
آزردۂ فغاں	یہی سہی کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا
آوارۂ حدودِ نیاز	دل ہے آوارۂ حدودِ نیاز
آغاز جاوداں انجام	عشق آغاز جاوداں انجام
آزردۂ مشق رفو	رہا ہے چاک دل آزردہ مشق رفو برسوں
آہِ اثر گداز	اب تو خدا اثر نہ دے آہ اثر گداز میں
آرزوئے رسوا	شان بے نیازی کو آرزوئے رسوا سے
آشوب صد جہانِ تماشا	آشوب صد جہانِ تماشا لیے ہوئے
اضطراب بہار	سکون خاطر بلبل ہے اضطراب بہار
امتیاز قلب و سنگ	مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا امتیاز قلب و سنگ
ادائے ہر نگہ التفات	ادائے ہر نگہ التفات نے مارا
انکار تقاضا	تھا مگر شوق ہی انکار تقاضا اپنا
ادب آموز امتحاں	یہ ضبط بھی ادب آموز امتحاں نہ ہوا
انتہائے سکوت برہم	انتہائے سکوت برہم کیا
انتظار قضائے مبرم	انتظار قضائے مبرم کیا
ادا آشنا	ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں
الزام پرستاری صورت	مجھ پر الزام پرستاریٔ صورت کیا خوب

اثرِ بے خودیٔ غم	جنوں سہی اثرِ بے خودیٔ غم نہ سہی
اضطرابِ ناپیدا	اضطرابِ ناپیدا پھر سکون پیدا سے
ادائے دعوتِ نظارہ	ادائے دعوتِ نظارہ دیدنی ہے کہ وہ
امتیازِ صبر و بے تابی	مٹا ہی چاہتا ہے امتیازِ صبر و بے تابی

ب

بے تابِ تجلی	حسن بے تابِ تجلی ہے اور آنکھیں محروم
بے خلش مدعا	لطفِ حیات بے خلش مدعا کہاں
بے نیازیٔ آدابِ التفات	اللہ رے بے نیازیٔ آدابِ التفات
بہ عنوانِ رنجِ زیست	تو نے کرم کیا تو بہ عنوانِ رنجِ زیست
بے گانۂ اختیار	بے گانۂ اختیار ہو جا
بے واسطۂ خودنگری	بے واسطۂ خودنگری اپنی طرف دیکھ
بزمِ تحیّر	اُٹھ بزمِ تحیّر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ
بہارِ صد چمنستان آرزو	بہارِ صد چمنستان آرزو بن کر
بلائے آسمان اضطراب	دل ہے یا رب یا بلائے آسمان اضطراب
بہشتِ شوق	دھیان ترا بہشتِ شوق سہی
بے کسی ہائے مدعا	بے کسی ہائے مدعا کی قسم
بے حسیٔ شدتِ شوق	دلِ مشتاق ہے اور بے حسیٔ شدتِ شوق
بزمِ ذوقِ طلب	خالی ہے بزمِ ذوقِ طلب اہلِ ہوش سے
بارِ منتِ ناخن	نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن
بہ اندازۂ تبسمِ برق	کرم کیا تو بہ اندازۂ تبسمِ برق
بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق	زیست تھی فانی بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق

پ

پروردۂ آفت	آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں

پرستار شب ہجر	اک عمر پرستار شب ہجر رہا تھا
پاس وضع غم	کیوں پاس وضع غم تجھے غیرت نہیں رہی
پردہ نشین رنگ و بو	گل پردہ نشین رنگ و بو ہے۔

ت

تاب رنج و زیست	وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
تنک بضاعتی غم	فانی تنک بضاعتی غم کا کیا علاج
تمہید صد ہزار قیامت	تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس
تہمت نظارہ جمال	اٹھتی نہیں ہے تہمت نظارۂ جمال
تجلیات وہم	تجلیات وہم ہیں مشاہدات آب و گل
توفیق اضطراب	توفیق اضطراب کو ایماں بنا دیا
تاب دل نوازئ درماں	جو تاب دل نوازئ درماں نہ لا سکے
توفیق مدعا	دل کو توفیق مدعا ہی نہیں
توفیق گنہ گاری	اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہ گاری
تصویر گردباد وفا	تصویر گردباد وفا ہوں مٹی ہوئی
تکلیف پردہ دارئ حسرت	تکلیف پردہ دارئ حسرت نہیں رہی
تاب نظارۂ جلال	تاب نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
تعمیر جبینِ سجدۂ ریز	حاصل خلقت ہے تعمیر جبین سجدہ ریز

ث

ثبات زندگیٔ بے ثبات	ثبات زندگیٔ بے ثبات نے مارا

ج

جلوۂ آتش پنہاں	جلوۂ آتش پنہاں جسے غم کہتے ہیں
جلوۂ طاقت ربا	کسی کے جلوۂ طاقت ربا کو کیا دیکھوں

جمال مطلق بے نام	جمال مطلق بے نام کی دہائی ہے
جلوۂ نظارہ ساز	منھ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
جواب۔ بے سوال	جواب بے سوال ہوں۔ سوال بے جواب کا
جنون شکوہ بے داد	جنون شکوہ بے داد پر خدا کی مار
جبر گل	بخش دے جبر گل کے صدقے ہیں
جلوہ گہ کیف صد بہار	ہر ردئے گل کو جلوہ گہ کیف صد بہار
جستجوئے نشاط مبہم	جستجوئے نشاط مبہم کیا
جولاں گہہ برق فنا	سینۂ فانی ہے یا جولاں گہہ برق فنا
جلوۂ جلوہ ساز	جلوۂ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ
جاوداں بے آغاز	حسن ہے جاوداں بے آغاز
جنون چارۂ وحشت	جنون چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے
جبر دوست	محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا

چ

چراغ کشتۂ آرام گاہ بے نشانی	چراغ کشتۂ آرام گاہ بے نشانی ہوں
چشم و چراغ جنوں	کل تک جو ہاتھ چشم و چراغ جنوں رہا
چرخ بے پروا خرام	ہوشیار او چرخ بے پروا خرام
چشم سربسر تسخیر	دو چشم سربسر تسخیر کافر ہوتی جاتی ہے

ح

حسرت زدۂ نوش	میں تری بزم میں حسرت زدہ نوش نہ تھا
حد امکان تمنّا	جا اور حد امکانِ تمنا سے گزر جا
حامل آثار جنوں	چشم تر حامل آثار جنوں ہے فانی
حسن جلوہ ساز	عشق بن گیا آخر حسن جلوہ سازاں کا
حریف زوال غم	دم حریف زوال غم نہ ہوا

حسن عتاب یار	فانی اب اپنی زندگی حسن عتاب یار ہے
حیات مرگ نواز	تو نے بخشی حیات مرگ نواز
حرف داستان انجام	حال دل حرف داستان انجام
حرف بے معنی فنا	حرف بے معنی فنا کی قسم
حوصلہ ذوق تماشا	پست کر حوصلۂ ذوق تماشا کر ہنوز
حریف زوال غم	دل حریف زوالِ غم نہ ہوا
حسرت تاثیر درد	ہاں نہیں شرطِ مروت حسرت تاثیر درد
حسن جفا پسند	حسن جفا پسند سے حسرت عرض شوق کیا
حسرت عرض شوق	حسن جفا پسند سے حسرت عرض شوق کیا
حریف گریۂ بے اختیار	حریف گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں
حساب حسرت جرم نظارہ	حساب حسرت جرم نظارہ دل سے پوچھ
حاصل بے خبری	حاصل بے خبری، لازمۂ ہوش ہوئی
حوصلہ دعائے وصل	فرصت یک نظر کے بعد حوصلہ دعائے وصل
حسن بے تماشا	اکتساب غم کر لیں حسن بے تماشا سے
حریف تجلی	یہ دل حریف تجلی ہی کیوں بنایا تھا
حجاب زعم تماشا	حجاب زعم تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں
حسن تماشا ریز	یاں نقاب جلوہ خود حسن تماشا ریز ہے
حسن ستم نواز	حسن ستم نواز کی ایک نگاہ غم نواز
حریف سوز نہاں	حریف سوز نہاں تو نہیں مگر پھر بھی
حسرتیٔ موت	مایوس سہی حسرتیٔ موت ہوں فانی

خ

خاطر حسرت نواز	مارا ہوا ہوں خاطر حسرت نواز کا
خواب محرومی	خدا دشمن کو بھی یہ خواب محرومی نہ دکھلائے
خواب زلیخائے محبت	افسانہ مرا خواب زلیخائے محبت

خلوص ربط مرگ و عشق	خلوص ربط مرگ و عشق میں کچھ شک نہیں لیکن
خستۂ امید باطل	نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ امید باطل ہوں
خراب لذّت دیدار یار	خراب لذّتِ دیدار یار ہم بھی ہیں
خلعت مختاری	مجبوریٔ عریاں کو یہ خلعت مختاری
خراب لذت جاں کاہی محبت	خراب لذت جاں کاہی محبت ہوں
خارستان حسرت	غبار رشک خارستان حسرت یاس کے منظر
خواب آغوش قفس	خواب آغوش قفس میں آشیاں دیکھا کیے

د

دشواریٔ انکار	دشواریٔ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
دیار عمر	دیار عمر میں اب قحط مہر ہے فانی
دل وفا خراب	مآل پوچھتا ہوں میں دل وفا خراب کا
دل اذیت آفریں	دل اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں
در زندان تمنا	بے فائدہ کھولا در زندان تمنا
دوزخ راز	دل عاشق ہے ایک دوزخ راز
دست برد درنگ	میری موت اور یہ دست برد درنگ
درخور انعام جفا	درخور انعام جفا اور رقیب
داد مظلوم نگاہی	داد مظلوم نگاہی بھی تو لینے دے
دریوزۂ فنا	دریوزۂ فنا مرے مسلک میں ہے حرام
داد خودنمائی	داد خودنمائی لے وحدتِ تمنا سے
دعوتِ سعیٔ نظر	ہر آئینہ ہے دعوتِ سعی نظر مجھے

ر

رفتہ بیم خزاں	رفتہ بیم خزاں تھی اس چمن کی ہر بہار
رہِ بے منزل دل	یہ نقش قدم ہیں رہ بے منزل دل میں

راز فریب غم و راحت
کھول دے راز فریب غم و راحت نہ کہیں

رفتہ نظر
رفتۂ نظر ہو جا سب سے بے خبر ہو جا

رونمائے جوش حیرت
رونمائے جوش حیرت تھی نگاہ

روداد عبرت خیز عشق قیس
روئیں کیا روداد عبرت خیز عشق قیس پر

راز داران اضطراب
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں راز داران اضطراب

رخصت تلقین صبر
پہلے اجل کو رخصت تلقین صبر دے

راز ناکامئ وفا
راز ناکامئ وفا کی قسم

رویائے پریشان فنا
میں رویائے پریشان فنا ہوں یعنی فانی ہوں

رفتہ آشوب ہوش
عہد خزاں میں رفتۂ آشوب ہوش ہوں

روشناس آگہی
کسی کو دیکھ کر دل روشناس آگہی کیوں ہو

روشناس اجابت
کہ روشناس اجابت نہیں دعا میری

ز

زبان دان تمنا
باقی نہ رہا کوئی زبان دان تمنا

س

ساز نا لیلیٰ
پھر تو مضراب جنوں، ساز نا لیلیٰ چھیڑ

سوختہ سامان تمنا
اک دل ہے سو ہے سوختہ سامان تمنا

سکوت بے جا
ہر سکوت بے جا کی تہ میں تھا بیاں اپنا

سجدۂ راہ گزر
سجدۂ راہ گزر یاد آیا

ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں
ستم رسیدۂ آوازۂ بیان ہوں میں

سلسلۂ برہم ہوش
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہم ہوش

سحر سازی ادراک
دل ہے اور سحر سازی ادراک

سعی نامعلوم
مرے نصیب میں بھی تھی ورنہ سعیٔ نامعلوم

سعی اظہار ماجرا
ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں

سرمہ تقاضا آنکھیں	ہائے دنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
سجدہ بے جبیں	خاک جبیں سے کام نے سجدہ بے جبیں سہی
ستم کدہ مدعا	بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے
سلسلۂ قید حیات	مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
سعیٔ عرض محبت	ننگ ہے سعیٔ عرض محبت، فرض محبت پورا کر

ش

شعلۂ بے ہوش	ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بے ہوش تھا
شکوہ طراز تپ ہجر	دل مشتاق نہ تھا شکوہ طراز تپ ہجر
شعلۂ عریاں	دل ہوا بجھ کے وہی شعلۂ عریاں میرا
شکست رنگ رخ کائنات	شکست رنگ رخ کائنات نے مارا
شعلہ زار نور	فضائے شوق کا وہ شعلہ زار نور ہو جانا
شہید کشمکش صبر و اضطراب	شہید کشمکش صبر و اضطراب ہوا
شکوہ طاقت ربائی ہائے غم	شکوہ طاقت ربائی ہائے غم کیا کیجیے
شہیدِ غم آرزو	لاؤ اسے شہید غم آرزو کریں
شرح دراز زندگیٔ مختصر	شرح دراز زندگی مختصر کو میں
شرمندۂ آواز	نغمے ہیں جو شرمندۂ آواز نہیں ہیں
شکوہ غارت گری ہائے تغافل	شکوہ غارت گری ہائے تغافل کیا کریں
شعلہ پناہی	آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ
شہید تبسم	خزاں شہید تبسم ہوئی، بہار ہوئی
شب بے صبح	وہ گھڑی بھی شب بے صبح تجھے یاد ہے جب
شکایت گلہ بے اثر	شکایت گلہ بے اثر نہیں ہے مجھے
شیون جوش	ذرہ ذرہ تربت فانی کا شیون جوش تھا
شعلہ خس پوش	بے تکلف ہر نفس اک شعلۂ خس پوش ہے
شعلہ زار سوز فرقت	جاں فزا ہے شعلہ زار سوز فرقت کی بہار

ص

صرف کشمکش ہائے تماشا	وہ بھی صرف کشمکش ہائے تماشا ہو گیا
صلائے عیش مدام	یہ نوید گردش جام کیا یہ صلائے عیش مدام کیا
صرف کشمکش جستجو	کیوں دل کو صرف کشمکش جستجو کریں
صورت گر آغوش	خود تری یاد ہی صورت گر آغوش ہوئی
صورت کدۂ جاں	حرف صد رقص ہے صورت کدۂ جاں کوئی

ط

طوفان اضطراب جنوں	طوفان اضطراب جنوں اٹھ کے دیر سے
طلسم شوق یاس آمیز	ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہے
طلسم فیض	اک طلسم فیض ہے سینے میں سوز دل کی ذات

ع

عبرت سرائے دل	عبرت سرائے دل میں ہوں آواز دور باش
عذر بے تقصیر	کیا مزے کا ہے تقاضا عذر بے تقصیر کا
عالم امکان تمنا	دنیا ہے مری عالم امکان تمنا
عقل کج فہم	عقل کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا
عزیز خاطر نامہربان سخت جانی	عزیز خاطر نامہربان سخت جانی ہوں
عہد دل فریبیٔ تاثیر	وہ عہد دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں
عیش غم انجام	ہم مفت بھی یہ عیش غم انجام نہ لیتے
عشرت تجلی	عشرت تجلی کی لذتیں ذرا ٹھہریں
عشق کارفرما	کام آپڑا فاآنی عشق کارفرما سے
عقل غم فروش فراغت نما	اے عقل غم فروش فراغت نما ٹھہر
عیش خواب لحد	اندیشہ عیش خواب لحد کا نہ کیجیے

غ

غم حوصلہ فرسا	چشم بد دور غم حوصلہ فرسا اپنا
غم ہستی جاوید	ہو غم ہستی جاوید گوارا کیوں کر
غم کدۂ عمر دوش	دل ہے وہ طاق غم کدۂ عمر دوش کا
غبار تمنا	وہ پیرہن غبار تمنا کہیں جسے
غبار رشک	غبار رشک خارستانِ حسرت یاس کے منظر

ف

فتنۂ ہر لب و آوازۂ ہر گوش	فتنۂ ہر لب و آوارہ ہر گوش نہ تھا
فرصت رنج اسیری	فرصت رنج اسیری دی تنان دھڑکوں نے ہائے
فال افزونیٔ مشکل	فال افزونیٔ مشکل ہے ہر آسانیٔ کار
فریب سادگی	پھر فریب سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
فریب گردش رنگ	آنکھ ہے اور فریب گردش رنگ
فیض یک لمحہ دیدار	فیض یک لمحہ دیدار سلامت فانیؔ
فنا آباد غم	ہے فنا آباد غم اک معنیٔ لفظ آفریں

ق

قید آداب تماشا	قید آداب تماشا بھی تو محفل سے اٹھا
قبر بے نشاں انجام	وہ ہے اک قبر بے نشاں انجام
قیامت مآل	صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

ک

کیفیت نگاہ سرور آفریں	کیفیت نگاہ سرور آفریں نہ پوچھ
کشتیٔ اعتبار	کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ

کم مایۂ غم	خلشِ درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
کفرِ غم ہوش	حد، کفرِ غم ہوش کی ایماں سے ملا دے
کیفیت ظہورِ فنا	کیفیت ظہورِ فنا کے سوا نہیں

گ

گریۂ حیراں	خندۂ عیش پہ یہ گریۂ حیراں میرا
گرمِ تلافی	آسماں گرمِ تلافی چاہیے کیسا قفس
گدائے اثر	دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر
گرم روی ہائے شوق	کیا کہیے اپنی گرم روی ہائے شوق کو
گریۂ ساماں	ہر تبسم کو چمن میں گریۂ ساماں دیکھ کر
گم شدگان رہِ غم	گم شدگان رہِ غم کی مثال
گریۂ محرومیٔ دیدار	بے ادب گریۂ محرومیٔ دیدار نہیں
گوشہ گیر حلقۂ زنجیر	پھر گوشہ گیر حلقۂ زنجیر ہے جنوں
گلہ مندِ جفا	گلہ مندِ جفا تو ہو فانیؔ

ل

لطفِ سعیٔ عمل	لطفِ سعیٔ عمل، اس مطلبِ حاصل سے اٹھا
لذت کشِ آرزو	لذت کشِ آرزو ہوں فانیؔ
لب ریزِ تموج	لب ریزِ تموج تھا اک اک خطِ پیمانہ

م

محشرِ سکوت	برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشرِ سکوت
معتقدِ حشرِ مجسم	میں معتقدِ حشرِ مجسم نہ ہوا تھا
محرومِ مرگِ ناگہاں	یوں نہ تھے محرومِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق
مضرابِ جنوں	پھر تو مضرابِ جنوں سازِ انا لیلیٰ نہ چھیڑ

مطلب حاصل	لطفِ سعیٔ عمل اس مطلب حاصل سے اٹھا
ماتم کدہ وفا	ماتم کدۂ وفا ہے عالم
مجبور یک نظر	مجبور یک نظر آ۔ مختار صد نظر جا
مختار صد نظر	مجبور یک نظر آ۔ مختار صد نظر جا
مرحلہ سعیٔ تماشا	اس مرحلۂ سعیٔ تماشا سے گزر جا
من جلۂ آداب غم خواری	گر من جلۂ آداب غم خواری ہے غم میرا
مئے مینا گداز	لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا
مشاہدات آب وگلِ	تجلیات وہم ہیں مشاہدات آب وگل
مرگ کامیاب	کہاں سے لاؤں اعتبار مرگ کامیاب کا
مذاق تلخ پسندی	مذاق تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا
محروم مدعائے حیات	مری حیات ہے محروم مدعائے حیات
معرکہ ناوک ناز	ہائے وہ معرکۂ ناوک ناز
محوِ فروغِ ذات	محو فروغ ذات ہوں بے خبر صفات ہوں
محشر بے خودی	دل محشر بے خودی ہے اللہ اللہ
متاعِ یک جہانِ آرزو	متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں
مشق حیلۂ پرواز	پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز
مایۂ عرفان خودی	بے خودی مایۂ عرفان خودی ہے یعنی
مرکز ہنگامۂ ہوش ورم ہوش	میں ہوں اک مرکز ہنگامۂ ہوش و رم ہوش
مرگ ناگہاں انجام	عشق تھا مرگ ناگہاں انجام
ماتم دار مرگ ناگہانی	اب اک مدت سے ماتم دار مرگ ناگہانی ہوں
مدہوش تماشا	محو تماشا ہوں میں یارب یا مدہوش تماشا ہوں
مدعا آشنا	زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں
نے بے سبو	چل کر چمن میں شغل نے بے سبو کریں
منت پذیر ہمدمیٔ دوستاں	منت پذیر ہمدمیٔ دوستاں نہیں
مختار انفعال	گھٹتا ہے جی کہ ہم نہیں مختار انفعال

موسم دیوانہ گر	بھولا ہوا ہوں موسم دیوانہ گر کو میں
مستیٔ عیش خمار	خراب مستیٔ عیش خمار ہم بھی ہیں
محروم صد تماشا	نظر وہی ہے جو محروم صد تماشا ہو
مآل سوز غم ہائے نہانی	مآل سوز غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
مجبوریٔ عریاں	مجبوریٔ عریاں کو یہ خلعت مختاری
مجبوریٔ مشکور	مجبوریٔ مشکور کی تصویر دکھادے
مجبور تماشائے سراب	کوئی مجبور تماشائے سراب آتا ہے
مشق خوئے تغافل	وہ مشق خوئے تغافل پھر ایک بار رہے
معنیٔ لفظ آفریں	ہے فنا آباد غم، اک معنیٔ لفظ آفریں
مایۂ ادراک ہستی	مایۂ ادراک ہستی ہو تکلف برطرف
منت کش بیدادیٔ صیاد	منت کش بیدادیٔ صیاد نہیں ہے
مژدۂ جنت وصال	مژدہ جنت وصال ہے موت
محشر جدائی	زندگی محشر جدائی ہے
مجبور خاموشی	کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے

ن

نگاہ خود نشناس	مراد جو دہے میری نگاہ خود نشناس
نور برق معرفت	نور برق معرفت بخشا دل آگاہ نے
نگۂ آخر بے رنگ	بھر لے نگۂ آخر بے رنگ میں ہر رنگ
نشۂ دیوانگیٔ ہوش	اے نشۂ دیوانگیٔ ہوش اتر جا
نامراد اجل	وہ نامراد اجل بزم یاس میں بھی نہیں
نامسازگاریٔ غم	اور ناسازگاریٔ غم کیا
نقش موہوم حیات	نقش موہوم حیات افسانہ در افسانہ تھا
نوید گردش جام	یہ نوید گردش جام کیا، یہ صلائے عیش مدام کیا
نیرنگیٔ نام عیش	تو ہما ہے میرے عہد میں نیرنگ نام عیش

ناواقفِ رسم جہاں کامرانی	ابھی ناواقفِ رسمِ جہانِ کامرانی ہوں
نمک پاشِ جراحت ہائے دل	کون تھا یارب نمک پاشِ جراحت ہائے دل
نوید ربط	نوید ربط ہے ہر جور لیکن
نقطۂ موہوم اتصال	فانی میں ہوں وہ نقطہ موہوم اتصال
نوید زندگی دل	نوید زندگی دل کی تاب سہل نہیں
نقاد سوز دل	کیوں اہل حشر ہے کوئی نقاد سوز دل
نشاط آشکار	نشاط آشکار ہے غم نہاں لیے ہوئے
نوید صد شکست	دلیل فتح عاشقی نوید صد شکست ہے
نگہ ماسوا نگر	اٹھا بھی دے نگہ ماسوا نگر کا حجاب
نیرنگ تقاضائے نگاہ	جلوہ رنگ ہے یک رنگ تقاضائے نگاہ
نشاط جنوں	باقی نہیں کسی کو نشاط جنوں کا ہوش
نگاہِ غم نواز	حسن ستم نواز کی ایک نگاہِ غم نواز

و

وسعت صد عالم صحرا	ذرّہ میں ہے گم وسعت صد عالم صحرا
وسوسۂ قلب ونظر	کر قطع نظر وسوسۂ قلب ونظر سے
وضع خود پسندی	اے حسن یہ وضع خود پسندی کب تک
وضع اضطراب	کون سی وضع اضطراب میرے قرار میں نہیں
وضع شکست عشق	وضع شکست عشق نبھا دے دیکھ کوئی الزام دے
واسطۂ حسن قبول	کیوں رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسن قبول
وحدت آشنا	شوق وحدت آشنا بیگانہ آغوش ہے

ہ

ہجوم ناز	سرِ ہوش برق گرتی وہ ہجوم ناز ہوتا
ہر جلوہ پوشیدہ و پیدا	ہر جلوۂ پوشیدۂ و پیدا سے گزر جا
ہلاک تلخیٔ تاخیر موت	ہلاک تلخیٔ تاخیر موت ہوں فانی
ہمہ گیری نواہی	ہمہ گیری نواہی کو نہ پوچھ
ہوس کوشی	جینا ہے ہوس کوشی، مرنا ہے ریاکاری
ہوائے سلسلۂ جنبانیٔ نشاط	دل اور ہوائے سلسلہ جنبانیٔ نشاط
ہلاک تلخیٔ تاثیر شکوہ	ہلاک تلخیٔ تاثیر شکوہ ہوں فانی
ہدیۂ مژگاں	ناموس عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے

ی

یوسفِ کنعانِ تمنا	جلوہ ہے ترا یوسف کنعانِ تمنا
یادگار ناوک ناز	یہ دل ہے یادگار ناوک ناز